اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

ناشر: جامعۃ الزہرا ٹرسٹ

جامعۃ الزہرا الاسلامیۃ

جاجمؤ کانپور یوپی

الیاس لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴۰۸ھ ۔ ۱۹۸۸ء

باهتمام

عتیق الرحمٰن طیبی

اسکائی لین پرنٹرس ۔ جیامئو، لکھنؤ

پیش لفظ

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

پیش نظر رسالہ دراصل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی مہتم بالشان کتاب "ارکان اربعہ" کا ایک باب ہے، یہ زکوٰۃ سے متعلق ہے، اور اس پر شرعی نقطۂ نظر سے مدلل بحث کی گئی ہے، اور زکوٰۃ کو اسلام کا ایک عظیم رکن ہونے کی حیثیت سے جو اہمیت حاصل ہے اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تزکیہ میں اس کی بنیادی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے، اور دوسرے مذاہب میں اس جیسی عبادت سے اس کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے

موجودہ دور میں زکاۃ نکالنے والے اور اس کے مستحقین دونوں ہی جانب سے اس کی شرعی حیثیت کو بڑی حد تک نظر انداز کر کے محض ایک رسم سمجھ کر اس پر عمل ہوتا ہے، بہت سے اہل ثروت اپنے پورے مال کی زکاۃ نکالنا ضروری نہیں سمجھتے، اور بہت سے اہل حاجت اس کو ایک سالانہ یافت کا ذریعہ تصور کرتے ہیں، یہ دونوں رجحان نہایت خطرناک مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس لیے ضرورت ہے کہ زکاۃ کی فرضیت اور اس کی شرعی حیثیت کا استحضار کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم اس کو صحیح مصرف میں صرف کریں اور اسلام کے اس عظیم رکن کو اخلاص اور سچی نیت سے قائم کر کے، اللہ تعالیٰ کے انعامات کے حقدار بنیں۔ اس جذبہ کو عام کرنے کی نیت سے جناب مولانا عین الحق صاحب اعظمی نے جامعۃ الزہراء ٹرسٹ کی طرف سے اس رسالہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے متوقع فوائد سے نوازے۔

سعید الاعظمی مدیر البعث الاسلامی

یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ / ۲۲ر جنوری ۱۹۸۸ء

زکوٰۃ

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ	لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں
فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ط	اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے
(سورۂ توبہ - ۱۱)	دین میں۔

رب اور بندہ کا تعلق اور اس تعلق کا تقاضا

رب اور بندہ کے درمیان جو تعلق قائم ہے وہ (جیسا کہ باب اول میں بیان کیا جاچکا ہے) ایسا تعلق ہے جس کے لئے کوئی نظیر، اساس یا پیمانہ ہمارے ان تعلقات میں موجود نہیں جن سے ہم آشنا ہیں ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک رحیم و کریم اور منعم و فیاض مالک اور فقیر و ذلیل مفلس و محتاج اور عاجز و درماندہ انسان کا تعلق ہے، اور اس رب کریم کی صفات کمال، افعالِ قدرت، ربوبیت تامہ اور اس کی محبت، رافت اور لطف بے نہایت کا یہ ادنیٰ تقاضا ہے کہ بندہ دل و جان سے اس پر قربان ہو جائے اور نہ صرف مال و زر بلکہ روح و دل ہر چیز اس پر بصد شوق نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔

مظاہر ربوبیت اور لطف و عنایت

اب ہمیں اس کی ربوبیت عامہ، رحمت و ہدایت، لطف و عنایت، اور کرم و بخشائش کے مظاہر پر

غور کرنا چاہئے، یہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے، جس نے انسان کو یہ متناسب و موزوں لباس وجود عطا کیا اور اس کو زمین کے خزانوں اور ذخیروں، اور اس کے وسیلوں اور سرچشموں سے فائدہ اٹھانے کی طاقت بخشی اور اس غرض سے اس کے اندر نہایت لطیف نازک اور حکیمانہ و معجزانہ نظام قائم فرمایا، اس کے اندر بحث و جستجو کا ذوق، ان وسائل و ذخائر کے استعمال، ان کی تنظیم، تبادلہ، باہمی تعاون اور لین دین کی صلاحیت پیدا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ربوبیت وہدایت کائنات کے تمام انواع و اجناس اور اصناف و طبقات میں جلوہ گر ہے "الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى"[1] (جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی) لیکن انسان کو (جو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بھی ہے) اس کا سب سے بڑا حصہ ملا ہے، اور وہی اس کا سب سے بڑا مظہر اور مرکز تجلّی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انھیں
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ	خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو
وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا	نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی
تَفْضِيلًا (سورۂ اسراء - ۷۰)	مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔

اس نے اس کے لئے زمین کو ہموار اور فضا کو سازگار بنایا اور زمین کی مخفی طاقتوں، پوشیدہ خزانوں، آبی ذخیروں اور خام معدنیات سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ، شوق اور استعداد پیدا کی۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا	وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا
فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ	سو تم اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی)
(سورۂ ملک - ۱۵)	روزی میں سے کھاؤ (پیو)۔

اس لئے انسان کے لئے زندگی کی ان ضروری اشیاء کو جو (شہری و دیہاتی، ترقی یافتہ اور پسماندہ) ہر قوم کے لئے

[1] سورۂ طٰہٰ - ۵۰

زندگی کا آسرا اور غذا کا سرچشمہ ہیں، اور جن کے بغیر زندگی کا وجود ناقابلِ تصور ہے، یعنی غلہ پانی اور آگ کو نہ صرف مسخر کیا بلکہ عام وارزاں بنا دیا۔

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝

(سورۂ واقعہ آیت ۶۳ تا ۷۳)

اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کردیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے، اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کرڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے نفع کی چیز بنایا ہے۔

فطرت انسانی کا خاصہ اور زندگی و تمدن پر اس کا اثر

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جمادات و حیوانات کے برعکس ذوق جمال، حسن و نفاست، قوت نمو اور تنوع و ترقی کا ایک ایسا جذبہ رکھا ہے جس کے دم سے زندگی کی یہ رونق قائم اور اس کا خون رواں اور گرم ہے، اور اس دنیا کی ساری تعمیر و ترقی، تنوع و جدت پسندی اور ایجادات وانکشافات دراصل اسی جذبہ کے مرہون منت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (سورۂ اسراء ۔ ۲۰۔۲۱)

ہم ہر ایک کو بڑھ بڑھ کر دیتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں تو دیکھو ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی۔

اس نے اس کے اندر ایک دوسرے سے تعاون کرنے حقوق کا خیال رکھنے، ملک کے امن وسلامتی کو برقرار رکھنے، اکل حلال اور مشترکہ منافع کے حصول کے لئے مہم جوئی و خطر پسندی کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، انسانیت کا کوئی طبقہ اور تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں جو اس جذبہ سے خالی اور اس صلاحیت سے محروم رہا ہو۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (سورۂ قریش ۔ ۱ تا ۴)

قریش کو خوگر ہونے کی بنا پر اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بنا پر چاہئے تھا کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا، اور انھیں خوف سے امن دیا۔

کوئی چیز انسان کی حقیقی مِلک نہیں

ان مسلّمہ حقائق اور فطری صورت حال کا (جس میں انسان کا عجز وافلاس اور اس کا ضعف و بے حقیقتی اپنی آخری شکل میں کھل کر ظاہر ہو رہی ہے اور جس میں خدا کی ربوبیت کاملہ بھی پوری طرح جلوہ گر ہے) نیز عقل، منطق اور ذوق سلیم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز انسان کی ملک نہ سمجھی جائے کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ کی جائے، اور مختصر الفاظ میں اس سے وہ معاملہ کیا جائے جو اس شیر خوار اور

چھوٹے بچے سے کیا جاتا ہے جو اپنے والدین کی گود میں پلتا اور ان کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ انسان اس عظیم کائنات میں اور اس بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے سامنے اس بچے سے بھی زیادہ کمزور و ناتواں اور بے حقیقت ہے جو اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں پلتا بڑھتا اور ان کے قدموں میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے، خدا کی شان تو اس مجازی مربی و مالک سے کہیں بلند و برتر ہے۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ روم - ۲۷)

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے) اعلیٰ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اس لئے وہ تمام اشیاء جو انسان کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں یا جن املاک کو اس نے اپنے جہل و ناواقفیت کی بنا پر خود اپنی طرف منسوب کر لیا ہے ان سب کی اضافت صرف اسی کی طرف کرنی چاہئے جو ان کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انسان کو ان چیزوں پر اختیار صرف محدود مقاصد کے لئے محدود وقت تک اور محدود طریقہ پر بخشا ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل، ہر چیز خدا کی ملکیت ہے

اس حقیقت کے پیش نظر (جو سارے حقائق پر محیط اور دنیا کے تمام دینی، اخلاقی اور معاشی نظاموں میں جاری و ساری ہے) قرآن مجید نے تمام انسانی معاملات کو اللہ تعالےٰ کے حوالہ کر دیا ہے، اور انسان کو صرف ایک چیز کا ذمہ دار بنایا ہے، اور وہ چیز ہے منصب خلافت۔

وہ مسلمانوں سے کبھی اس انداز سے مخاطب ہوتا ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ (سورۂ نور - ۳۳)

اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انھیں دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔

کبھی اس طرح :-

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ (سورۂ حدید - ۷) اور جس مال میں سے اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

آیت بالا میں اس کا اعلان صاف طریقہ پر موجود ہے کہ ان تمام اشیاء کا حقیقی مالک و حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہے اس لئے انسان اگر چند پیسے اس کی راہ میں خرچ کردیتا ہے تو اس کو اس پر فخر و ناز کا کوئی حق نہیں۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (سورۂ حدید - ۱۰) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درانحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے۔

اس صورت حال کا تقاضا بلکہ قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہر ملکیت سے دستبردار ہوجائے اور اس کو اپنی زمین و جائداد میں ادنیٰ تصرف کا حق باقی نہ رہے، اور وہ بالکل مقید پابند اور معطل ہوجائے۔

انسان کی طرف مال کی اضافت کا راز اور اس کے مصالح

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت نے انسان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا اور ان اموال و املاک اور انسانی جدوجہد کے ثمرات و نتائج کو صرف خدا کی طرف منسوب کرکے انسان کو اس سے محروم نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو اس میں تعجب یا چوں وچرا کی کوئی بات نہ تھی لیکن اس سے انسان خود اعتمادی و ولولہ کار، قوت نمو، جذبۂ مسابقت، ذوق جستجو، او مختصر الفاظ میں زندگی کے اس کیف اور سرور سے محروم ہوجاتا جو اپنی کوشش کے نتائج اور اپنی محنت کا ثمرہ دیکھ کر اس کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ فطری لذت ہے جو بچوں کو اپنے گھر اور اپنے والدین کی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنے سے حاصل ہوتی ہے اگر انسان اس جذبہ سے محروم ہوجائے تو وہ اخلاص و محبت، خیر خواہی، ان اموال و املاک کی حفاظت اور ان کو ترقی دینے کی فکر و امنگ سے محروم ہوجائے گا، زندگی اپنی ساری سرگرمی و جوش عمل کشمکش اور

جذبۂ مسابقت اور وہ حوصلہ اور ولولہ کھو دے گی جو انسان کی بقاو ترقی کے لئے ناگزیر ہے، دنیا ایک بڑا کارخانہ بن جائے گی جس میں انسان مشین کے گونگے بہرے کل پرزوں کی طرح متحرک ہوں گے نہ ان کے پاس دل ہوگا نہ ضمیر، نہ آسودگی نہ لذت۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال کا انتساب بار بار انسان کی طرف کیا ہے، اس کے خالق ورازق کی طرف نہیں:۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ
وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
(سورۂ بقرہ ـ ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ درانحالیکہ تم جان رہے ہو۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى
لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
(سورۂ بقرہ ـ ۲۶۲)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ۔
(سورۂ بقرہ ـ ۲۶۷)

اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ
اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا۔ (سورۂ نساء ـ ۵)

اور کم عقلوں کو اپنا مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لئے ایۂ زندگی بنایا ہے۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ	اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ)
وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ○	تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے
(سورۂ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۳۶)	مال طلب نہیں کرے گا۔

غرض قرآن مجید میں اس طرح کی بکثرت آیات موجود ہیں جن میں نہ صرف مال کی اضافت انسان کی طرف کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور وسعت دے کر قرض حسنہ قرار دے دیا ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے بندوں کی بھلائی کے لئے انسان جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اس کے نزدیک وہ قرض حسن ہے ارشاد ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا	کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے، پھر اللہ
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۔ (سورۂ بقرہ ۔ ۲۴۵)	اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ	اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو
لَكُمْ ۔ (سورۂ تغابن ۔ ۱۷)	تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا	اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ○ (سورۂ مزمل ۔ ۲۰)	اللہ کو اچھی طرح قرض دو۔

خلافت وامانت کا تصور

یہ حقیقت کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک مطلق ہے اور وہ اس کائنات کی تمام موجودات کا مالک حقیقی ہے، قرن اول کے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر چکی تھی کہ وہ اپنے کو اس مال و دولت کا صرف امین سمجھتے تھے اور اپنی رائے سے اس میں کوئی تصرف نہ کرتے تھے، ان کے مال کے استعمال میں نہ ریاکاری شامل ہوتی تھی نہ فخر نہ تکبر نہ نا

قرآن مجید نے امانت وخلافت کے تصور کو ان کے دل ودماغ میں مختلف طریقوں سے اچھی طرح راسخ کردیا تھا اور ان کو یہ باور کرادیا تھا کہ اگرچہ یہ مال انھوں نے اپنے زور بازو سے اور خون پسینہ ایک کرکے جمع کیا ہے، تاہم اسلام کے عہدنامہ کی رُو سے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تمام حقوق اور دعوؤں سے دستبردار ہونے کے لحاظ سے وہ دوبارہ خدا کی ملکیت میں آگیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا اقرار انسان اسلام میں داخل ہوتے وقت اور کلمۂ شہادت پڑھتے وقت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا حق حاصل ہے کہ اپنی مستعار دی ہوئی اور ودیعت کی ہوئی چیز جب چاہے واپس لے لے، یہ اس کی خریدی ہوئی چیز ہے جس کو وہ ہر وقت حاصل کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ	بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور
وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۂ توبہ۔۱۱۱)	ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انھیں جنت ملے گی۔

وہ ان لوگوں کو بُرے انجام سے ڈراتا اور تنبیہ کرتا ہے جو مال کی محبت میں پوری طرح گرفتار ہو چکے ہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ اور ادائیگی فرض کے مقابلہ میں ان کو اپنی راحت اور اپنی خواہشات زیادہ عزیز ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے مال ودولت اور املاک وجائداد میں ہر طرح کا تصرف کرنے، اس کو بچا بچا کر رکھنے اور اس کی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ	تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور
اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے
وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ	سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب)
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا	تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي	کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۂ توبہ - ۲۴) حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

وہ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ اور خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سخاوت و عالی ہمتی کے ساتھ خرچ کرنے سے پرہیز، اس کے لئے جان و مال کی قربانی سے دریغ اور اس کے دین کی نصرت و حمایت سے (جس کے ساتھ ان کی زندگی و بقا وابستہ ہے) کنارہ کشی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف اور آج کل کی تعبیر میں "خودکشی" کے ہم معنی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے کو اپنے ہاتھوں
اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھے کام کرتے رہو یقیناً اللہ اچھے
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ (سورۂ بقرہ - ۱۹۵)	کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

امانت و خلافت کا تصور اولین مسلمانوں میں کیا تھا؟

صحابہ کرام کا اپنے مال و متاع، زمین و جائداد، کھیتی باڑی اور تجارت و کاروبار کے ساتھ بالکل یہی معاملہ تھا، انھوں نے ان سب چیزوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں دے دیا تھا، ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں انھوں نے یہی کردار ادا کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، صہیب رومیؓ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے بڑے بڑے مہاجرین و اغنیاء صحابہ نے ہمیشہ اسی طرز عمل کا نمونہ پیش کیا، جس کا مطالبہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے، مدینہ طیبہ میں انصار کا طرز عمل اور رویہ بھی اسی کے مطابق تھا۔

جنگ بدر سے قبل حضرت سعد بن معاذؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے جو گفتگو فرمائی تھی، اس میں ہم کو اس تصور کی پوری عکاسی ملتی ہے، حدیث میں آتا ہے:۔

"جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کی پیش قدمی کی خبر پہونچی تو آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا مہاجرین سے آپ نے مشورہ فرمایا تو انھوں نے بہت اچھی بات کی، آپ نے دوبارہ مشورہ کیا تو انھوں نے

بہت اچھی گفتگو کی، پھر آپ نے ان سے تیسری بار مشورہ کیا تو انصار نے محسوس کیا کہ شاید حضورؐ کی بات کا رخ انصار کی طرف ہے، اس وقت سعد بن معاذؓ نے بڑھ کر عرض کیا کہ شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے، اور حقیقت یہی تھی، اس لئے کہ انصار نے آپ سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اپنے گھر رہتے ہوئے آپ کی حمایت و نصرت کا حق ادا کریں گے اور دفاع کا فرض انجام دیں گے، جب آپ نے باہر نکل کر مقابلہ کا ارادہ کیا تو آپ نے سب کا خیال معلوم کرنے کے لئے عمومی مشورہ کیا، اس وقت سعد بن معاذؓ آگے بڑھے اور کہا کہ شاید حضورؐ کو اس کا خیال ہے کہ انصار نے صرف اپنے دیار میں حضورؐ کی نصرت کا وعدہ کیا ہے، میں انصار کی طرف سے بولتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر فرمائیں، جس سے چاہیں رشتہ جوڑیں، جس سے چاہیں قطع تعلق کر لیں، ہمارے مالوں میں سے جتنا جی چاہے لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، جو آپ لے لیں گے وہ ہمیں چھوڑے ہوئے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہوگا، جو آپ حکم فرمائیں گے ہم اس کو بسر و چشم قبول کریں گے، خدا کی قسم اگر آپ "برک غمدان" تک جانا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور مسلمانوں کی فیاضی و گرمجوشی

جب یہ عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح مستحکم ہو گیا بلکہ ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے جو بطور امانت ان کے سپرد کیا گیا ہے تو اس وقت ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ بنیادی اور شرعی حقوق کی بجا آوری اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے بعد جو کچھ بچے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ[2] — اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ

۱؎ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۷-۱۳۶ ۲؎ سورۂ بقرہ - ۲۱۹ - ابن کثیر نے العفو کی تفسیر یہ کی ہے کہ جو تمہارے گھر کی ضروریات سے فاضل ہو ابن عمرؓ، مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، الحسن، قتادہ، القاسم، سالم، عطاء خراسانی، ربیع بن انس سے بھی یہی روایت ہے کہ جو ضروریات سے فاضل ہو، ابن بطال کہتے ہیں کہ جو کفاف (ضرورت بھر کا مال) سے بچے، ہم نے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو ضروریات سے بچ رہے۔

انھوں نے اس مطالبہ کو پوری گرمجوشی وفیاضی اور انشراحِ صدر کے ساتھ پورا کیا، اس اقرار کے بعد کہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اور وہ صرف اس کے امین، متولی، منتظم اور ٹرسٹی ہیں، ہر قربانی ان پر آسان ہوگئی تھی، اور یہ بات یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنی ضروریات روک کر اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں پر خرچ کرتے تھے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کی میزبانی کا واقعہ تاریخ میں مشہور ہے، اور حق یہ ہے کہ سخاوت وایثار کی نظیر جو انھوں نے قائم کی وہ انسانی تمدن کی پوری تاریخ میں نہایت نادرو کمیاب ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ مجھے سخت بھوک و رفاقہ ہے آپؐ نے اپنے یہاں دریافت فرمایا وہاں کچھ نہ تھا، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی ہے جو اس شخص کی اس رات میزبانی کرے، یہ سن کر ایک انصاری (حضرت ابوطلحہؓ) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ہوں یا رسول اللہ، اس کے بعد وہ اپنے گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں جو کچھ ہو ان کو پیش کر دیا جائے، انھوں نے کہا کہ صرف بچوں کا کھانا ہے، انھوں نے کہا کہ جب عشا ہو جائے تو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور آکر چراغ بجھا دو، ہم لوگ رات اسی طرح گزار دیں گے، انھوں نے یہی کیا، صبح ہوئی تو یہ انصاری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں اور فلاں کا یہ کام بہت پسند آیا یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہنسی آئی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[1] — اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔

زکوٰۃ انفاق وصدقات کے معنی میں

زکوٰۃ کا ذکر مکی سورتوں میں بھی آیا ہے، جہاں اس سے مراد قدرتی طور پر مطلق خیرات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

[1] سورہ حشر۔ ۹۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ان انصاری صاحب کا نام ابوطلحہ تھا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ	یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع
خَاشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○	رکھنے والے ہیں اور جو لغو (بات) سے دور کنارہ رہنے
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ (المؤمنون ۱-۴)	والے ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ پر عامل ہیں۔

دوسری جگہ ذکر ہے:۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ	اور بڑی کمبختی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ ○ (حم سجدہ ۶-۷)	اور آخرت کے وہ منکر ہی ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے فضائل واحسانات کے ضمن میں بعض شاہان وقت کے سامنے بھی اس کا ذکر اسی معنی میں کیا گیا ہے، چنانچہ جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں یہ کہا:۔

وَاَمَرَنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا نُشْرِكُ	انھوں نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی
بِهٖ شَيْئًا وَاَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ	عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور
وَالصِّيَامِ[1]	انھوں نے ہم کو نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا ہے۔

یہ بعثت نبوی کے پانچ سال بعد کا واقعہ ہے۔

زکوٰۃ کے ایک ایسے معین اور مخصوص نظام کی ضرورت جو ہر طبقہ اور ہر عہد کا ساتھ دے سکے

جب اسلامی معاشرہ عقیدہ کی پختگی اخلاقی تربیت، اطاعت وانقیاد، سخاوت وایثار اور انفرادی و جماعتی انانیت سے آزادی کی آخری سطح تک پہونچ گیا سوسائٹی بہت وسیع ہوگئی اور اس میں مختلف اخلاقی وروحانی مراتب اور درجات قائم ہوگئے۔ انسانوں کے مختلف گروہ اور قسمیں ہوگئیں جن میں مالدار بھی تھے، غریب بھی اور متوسط الحال بھی ایسے فیاض اور سخی بھی تھے کہ داد ودہش ان کا ذوق اور غذا بلکہ مزاج اور طبیعت ثانیہ

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

بن گئی تھی بخیل اور حریص بھی تھے اور میانہ رو و معتدل بھی ایک طرف ایسی قوت ایمانی تھی جو بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتی تھی بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی تھی مشکل سے مشکل مسئلہ حل کرسکتی تھی دوسری طرف اس ضعف ایمانی کے نمونے تھے جو عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں اور عہد آخر کی نسلوں میں دیکھے جاسکتے ہیں،

اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت و رحمت تھی کہ اس نے ایسے متنوع مختلف الحال معاشرہ کے لئے ایک ایسا واضح اور معین نصاب مقرر کردیا جس کی مقدار و تعداد، اصول و شرائط اور علامات و نشانات سب پوری طرح واضح اور مقرر ہیں، یہ نصاب نہ اتنا زیادہ ہے کہ متوسط طبقہ اس کے بارے پریشان ہوجائے نہ اتنا کم کہ امراء و دولتمند طبقہ اور اہل ہمت اہل خیر کی نگاہ سے گرجائے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی حکمت تھی کہ اس کو کسی کی رائے یا شخصی ہمت و حوصلہ پر نہیں چھوڑا گیا، نہ اس کو ان انسانی جذبات کے حوالہ کیا گیا جن میں مد و جزر اور اتار چڑھاؤ ہر وقت ہوتا رہتا ہے، اس کو قانون سازوں اور علماء یا حکام کے حوالہ بھی نہیں کیا گیا اس لئے کہ ان پر بھی کلی اعتماد ممکن نہیں اور وہ بھی ہوائے نفس سے محفوظ و مامون نہیں، ان سب باتوں کے پیش نظر زکوٰۃ اپنے نصاب و مقدار کے ساتھ فرض کی گئی۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے نصاب کی حکمت اور اس کے تعین کی مصلحت و افادیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] ہمارے نزدیک ترجیح اس کو ہے کہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد فرض ہوئی اور یہ بات ہجرت کے پانچویں سال سے قبل پیش آئی اور اس کا ایک فریضہ اور اسلام کے ایک رکن کی حیثیت سے ذکر آیا، ضمام بن ثعلبہ اور وفد عبد القیس کی حدیث (جس کی حاضری پانچویں سال ہوئی) اور ہرقل اور ابوسفیانؓ کے مکالمہ سے (جو ساتویں سال کے آغاز میں ہوا) یہ بات عیاں ہے، احمد ابن خزیمہ نسائی، ابن ماجہ اور حاکم سے قیس بن عبادہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقۂ فطر کا حکم دیا قبل اس کے کہ زکوٰۃ کا حکم آئے پھر زکوٰۃ فرض کی گئی اور آپ نے ہمیں اس سے (صدقۂ فطر) سے نہ منع فرمایا نہ حکم دیا لیکن ہم اس کی پابندی کرتے رہے" اس حدیث کی سند صحیح ہے، صدقۂ فطر کا رمضان سے تعلق ہے جو ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا، آیت اس فریضہ پر دلالت کرتی ہے اور وہ بلا اختلاف رائے مدنی آیت ہے۔

"پھر اس کی ضرورت ہوئی کہ زکوٰۃ کی مقدار مقرر کر دی جائے اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس میں بہت افراط و تفریط اور حدود سے تجاوز کا خطرہ ہے، یہ نہ اتنی کم ہونی چاہئے کہ ان پر اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہ ہو اور ان کے بخل کا کوئی علاج ہی نہ ہو سکے، نہ اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے، اسی طرح زکوٰۃ کی مدت کا بھی معاملہ ہے، نہ یہ مدت اتنی مختصر مناسب تھی کہ بار بار زکوٰۃ ادا کرنے کی نوبت آتی نہ اتنی طویل کہ بخیلوں کو پوری چھوٹ مل جاتی اور محتاجوں اور ضرورت مندوں کا کوئی بھلا ہی نہ ہو سکتا، مناسب یہی تھا کہ اس کا ایک ایسا قانون بنا دیا جاتا جس طرح عام طور پر بادشاہ اپنی رعایا کے لئے ٹیکس کی حد مقرر کر دیتے ہیں، اس لئے کہ عرب و عجم سب اس کے عادی ہیں اور اس کو ایک ناگزیر چیز سمجھتے ہیں اور ان کے احساس کو اس سے کوئی تکلیف نہیں پہونچتی، خاص طور پر مسلمان جو کلفت کے بجائے الفت کا عادی اور خوگر ہے اس حکم کی تابعداری میں سب سے پیش پیش ہوگا۔"[1]

زکوٰۃ کس چیز پر واجب ہے اور اس کے مقدار کے تعین میں کیا حکمت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی مقدار بھی متعین فرما دی ہے اور ان چیزوں کی نشان دہی بھی کر دی ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے، آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ زکوٰۃ کب واجب ہوگی، آپ نے ان چیزوں کی چار قسمیں کی ہیں، اور یہ چاروں ایسی ہیں جن سے تقریباً ہم سب کو واسطہ پڑتا ہے، پہلی قسم کاشت اور باغات، دوسری قسم مویشی (اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) اور تیسری قسم وہ ہے جس پر مالیات کا سارا نظام قائم ہے، یعنی سونا، چاندی، چوتھی تجارت کا مال، اپنی تمام قسموں اور شعبوں کے ساتھ۔[2]

زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے، البتہ باغات و کاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائے گا جب یہ باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اپنے کمال کو پہونچ جائیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ انصاف

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۱
[2] ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵ باختصار

ممکن ہی نہیں تھا، اگر زکوٰۃ ہر مہینہ یا ہر ہفتہ ادا کرنی پڑتی تو یہ دولت مند لوگوں کے لئے بہت نقصان دہ ہو سکتی تھی، اور اگر عمر میں ایک بار فرض ہوتی تو غربا اور مساکین کے حق میں مضرت رساں تھی، اس لحاظ سے اس سے زیادہ موزوں اور معتدل حکم کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کو ہر سال ادا کیا جائے، زکوٰۃ کی مقدار کا تعین مالکین نصاب کی محنت و جدوجہد اور ان کی سہولت و مشقت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، چنانچہ جو مال و دولت آدمی کو اچانک اور یکمشت دستیاب ہو جائے (مثلاً کان، کوئی معدنی ذخیرہ یا خزانہ) تو اس میں سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا اور جس وقت وہ اس کو حاصل ہوگا اسی وقت اس کا "خمس" (پانچواں حصہ) اس پر واجب ہو جائے گا، البتہ جس کی تحصیل میں خود اس کی محنت اور سعی کو دخل ہوا اور اس نے اس کے لئے محنت و مشقت برداشت کی ہو تو اس پر عُشر واجب ہوگا مثلاً کاشت و باغات وغیرہ اس سے مراد وہ کاشت ہے جس کو بونے جوتنے کا کام تو وہ خود کرتا ہے لیکن نہ اس کی سینچائی اس کو کرنا پڑتی ہے، نہ اس کے لئے کنواں کھودنا اور رہٹ لگانا پڑتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے اس کی سینچائی فرما دیتے ہیں، ہاں اگر کوئی شخص ڈول کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے اس کی سینچائی کرتا ہے تو بیسواں حصہ اس پر واجب ہوگا، اگر کوئی ایسا کام ہو جس کے اضافہ کا انحصار مالک کی محنت پر ہو اس کا انتظام نگرانی اور حفاظت اس کے ذمہ ہو تو اس پر اس کا بھی نصف یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوگا، اس لئے کہ اس میں اس کو کھیتی باڑی سے زیادہ مصروف رہنا پڑتا ہے اور ہر وقت نگرانی کرنی ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ میں تجارت سے کم دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اور اس میں اتنا وقت بھی صرف نہیں ہوتا جتنا کسی دکان یا کارخانہ اور کمپنی میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش سے جو کھیتی پیدا ہوتی ہے وہ سینچائی والی کھیتی سے زیادہ اچھی اور آسان ہوتی ہے، اسی طرح کسی خزانہ کی دریافت ان تمام چیزوں سے زیادہ آسان ہے اور اس میں کچھ بھی کرنا نہیں پڑتا، چنانچہ نقدی کے لئے دو سو درہم اور سونے کے لئے بیس[2] مثقال[1]

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک مثقال ایک دینار کے مساوی تھا، اور ایک دینار دس درہم کے برابر، اس لحاظ سے بیس مثقال (یا بیس دینار) دو سو درہم کے برابر ہوئے، دو سو درہم اکثر علماء ہندوستان کی تحقیق کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہوتے ہیں، [2] ۲۰ مثقال (یا بیس دینار) ساڑھے سات تولہ سونے کے مساوی سمجھا گیا ہے۔

غلہ اور پھلوں کے لئے پانچ وسق[1] (جو اونٹ کے پانچ بوجھ کے برابر ہوتا ہے) بکری کے لئے چالیس[2] بکریاں، گائے کے لئے تیس اور اونٹ کے لئے پانچ مقرر کئے گئے[3]۔

زکوٰۃ کا صحیح مصرف اور اس کے مناسب اوقات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"وہ دروازے جو صالح سلاطین نے بلا کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کے لئے کھولے تھے، اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں، اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں، مویشی، کاشت، تجارت، دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ ان کو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے مال کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور ان کی آمدنی کی مدیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نئے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

تیسرے یہ کہ ان اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت وسعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں مثلاً عہد جاہلیت

---

[1] وسق ۶۰ صاع کے برابر ہوتا ہے اور ہر صاع ۸ رطل کے مساوی ہے، اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، ابن عباسؓ، زید بن علی اور امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کم یا زیادہ سب میں واجب ہے اور نصاب کا اعتبار نہیں، یہ اختلاف ایک اصولی بحث کے نتیجہ میں ہوا جس کی تفصیل مذاہب کی کتبِ استدلال، نیز اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے، ان الفاظ کا مفہوم اور مطلب سمجھنے اور اس سلسلہ کے اقوال و مذاہب سے آگاہی کے لئے امام ابوبکر جصاص (م ۳۸۰ھ) کی کتاب "احکام القرآن" نیز قاضی ابوبکر بن العربی (م ۴۴۲ھ) کی کتاب "احکام القرآن" اور تفسیر و مذاہب اربعہ کی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔ [2] ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۲۴۶ باختصار

کے خزانے اور قدماء کے دفینے، اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے، چوتھے یہ کہ عام تجارت پیشہ لوگوں سے لی جائے مگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت (مع درآمد برآمد) غلہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے اس کے لئے ایک سال رکھا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے اور اس کا اندازہ کرنے کے لئے ایک سال بالکل کافی ہے۔

آسان اور مطابق مصلحت یہی ہے کہ زکوٰۃ ان ہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلہ سے ایک اونٹنی، گائے کے ریوڑ سے ایک گائے، بکری کے ریوڑ سے ایک بکری"[1]

زکوٰۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورۂ براءۃ کی آیت میں بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورۂ توبہ - ۶۰)

صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں، نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے، اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں (کی امداد) میں یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۰

سورۂ براءۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس وقت اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوگئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے، اس کے بعد زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا[۱] اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف جگہوں پر اپنے عمال اور محصّلین بھیجے اور ان کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اور بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصلحت کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ تھا[۲] چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو سنہ ۱۰ھ[۳] میں یمن روانہ کرنے سے پہلے جو ہدایات دیں، وہ زکوٰۃ کے قانون کی اساس اور گویا اس کا سرکاری منشور ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔

"تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں پس دعوت دو ان کو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ بات قبول کر لیں تو ان کو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا، اور ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا، اگر وہ یہ بات بھی منظور کر لیں پس تم کو چاہیئے کہ ان کے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرو،[۴] اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا[۵]"

---

[۱] یہ منصوص مصارف زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ دائم اور جاری ہیں، سوائے "المؤلفۃ قلوبہم" کے، اکثر علماء، ائمہ اور فقہاء کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی وجہ سے اب ان کے حصہ کی ضرورت باقی نہیں رہی، وہ دلیل میں حضرت ابوبکرؓ کے عمل کو پیش کرتے ہیں جنھوں نے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی، البتہ بعض دوسرے فقہاء اس کے بقا کے قائل ہیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ کی رائے راقم سطور کو زیادہ پسند آئی، وہ کہتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں لیکن اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہیئے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیتے تھے، حدیث صحیح میں ہے "بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبا کما بدأ" (احکام القرآن ص ۴۸۵)

[۲] یہ ہدایت نامے اور فرامین احادیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں [۳] صحیح بخاری، کتاب المغازی کے آخر میں اس سنہ کی تصریح ہے [۴] یعنی یہ مناسب نہیں کہ تم چھانٹ چھانٹ کر سب سے بہتر جانور لے لو۔ [۵] صحاح ستہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

زکوٰۃ کے بنیادی مصالح

بہت سے معاصر اہلِ قلم اور اہلِ فکر جو جدید معاشی فلسفوں اور علم الاقتصاد کی غیر معمولی اہمیت اور ہمہ گیری سے کم و بیش متاثر اور ذہنی طور پر مرعوب ہیں، سارا زور زکوٰۃ کے اقتصادی اور اجتماعی مصالح و منافع پر دیتے ہیں، اور اس کو صرف ایک عادلانہ ٹیکس قرار دیتے ہیں، یا زیادہ محتاط الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریروں کو پڑھنے والا کم از کم ایسا محسوس کرتا ہے کہ ان کی رائے زکوٰۃ کے بارہ میں یہ ہے کہ دنیا کے معاشی نظاموں نے اب تک جتنے ٹیکس سوسائٹی پر عائد کئے ہیں، یہ اسلامی ٹیکس ان سب سے زیادہ منصفانہ، حکیمانہ اور متوازن ہے، اس لحاظ سے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ زکوٰۃ اس اشتراکیت (سوشلزم) کی نہایت مستحکم بنیاد ثابت ہو سکتی ہے جسے اسلام نے اپنی ترقی و عروج کے بہترین زمانہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، وہ (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) زکوٰۃ کی اس حقیقی روح کو فراموش کر دیتے ہیں، جو اس پورے نظام میں جاری و ساری ہے، یہ روح ہے عبادت اور تقرب الی اللہ کی، اس طرح وہ اس کے بنیادی مقصد اور اصل مصلحت و حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں یعنی نفس کو بخل، خود غرضی، انانیت، فقراء کی حق تلفی اور قلب کی قساوت سے پاک و صاف کرنا، اللہ تعالیٰ کی قبولیت و رضا حاصل کرنا اور فقراء و ضعفاء کی دلداری اور ہمدردی کے نتیجہ میں مال میں پاکی اور نورانیت اور خیر و برکت کا ظہور۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت اہتمام و تاکید کے ساتھ اس بنیادی مصلحت اور حقیقی فائدہ کا ذکر کیا ہے اور سب سے زیادہ زور اسی مرکزی نقطہ پر دیا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ (سورۂ توبہ۔ ۱۰۳)
آپ ان کے مالوں سے صدقے لیجئے اس کے ذریعہ سے آپ انھیں پاک و صاف کر دیں گے۔

زکوٰۃ اور سود کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ لوگوں کے مال
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ	میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور جو تم صدقہ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (سورۂ روم - ۳۹)	ہوگے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔

ابو داؤد میں ہے، حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "نہیں فرض کی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ مگر اس لئے کہ اس کے ذریعہ تمہارا بقیہ مال و دولت پاک ہو جائے"۔

اس اساسی مصلحت کے بعد جماعت اور معاشرہ کی مصلحت آتی ہے جس میں معاشرہ کی خود کفالتی، غربا کی اہم ضرورتوں کی تکمیل سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے باعزت اور شریفانہ زندگی کے مواقع کی فراہمی تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر سکے اور مقصد حقیقی اور کمال اصلی تک پہونچ سکے۔

وہ علماء جنھوں نے کتاب و سنت اور دوسرے علوم اسلامیہ کا براہ راست اور گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنے کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھا تھا، اور صرف مدرسۂ نبوت سے واقف تھے اور گویا وہیں کے تعلیم یافتہ تھے اور جنھوں نے اسلام کے فہم صحیح کے لئے صحیح راستہ منتخب کیا تھا وہ ان مصالح میں ترتیب اور فرق مراتب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے اور ہر چیز کو وہی حیثیت دیتے تھے، جو کتاب و سنت نے مقرر کر دی ہے، سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس بات کو صحابہ کرامؓ نے سمجھا پھر ان کے جانشین اس فہم صحیح کو میراث نبوت کی حفاظت کے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہے ہم اس سلسلہ میں اسلام کے بعض ممتاز ترین علماء اور ائمہ کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، تاکہ ہمیں اس طرز فکر کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے احکام کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:۔

• جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ میں سب سے اہم مصالح دو ہیں، پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے اس لئے کہ نفس در

حرص وبخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے، حرص بدترین اخلاق میں سے ہے جو معادمیں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اگر زکوٰۃ کی مشق اس کو ہوگی تو یہ مرض اس سے ختم ہو چکی ہوگی جو بالآخر اس کو نفع پہونچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ، انابت وعبودیت، دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے اسی طرح سخاوت خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے، اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں، بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے، اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت واحتیاج کے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے، ظالم کو معاف کیا جائے، مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف ومشکلات، آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان وخوشگوار ہو جائیں، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے، اور ان کے حدود مقرر فرما دیئے ہیں، ان میں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے، اللہ تعالےٰ اہلِ نار کے بارہ میں فرماتا ہے:۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ	وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ ہم غریبوں کو
نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ	کھانا کھلایا کرتے تھے اور شغل میں رہنے والوں کے ساتھ
الْخَائِضِينَ ۝ (سورۂ مدثر۔ ۴۳-۴۵)	ہم بھی شغل میں پڑے رہتے تھے۔

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے، اس لئے کہ ضعفاء واہلِ حاجت جمع ہوں گے، اگر ان کی ہمدردی واعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں، اس کے علاوہ شہروں کا انتظام مال پر قائم ہوتا ہے، اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین ومنتظمین اپنی ان مشغولیات اور

ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کرسکتے، ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے، مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کے لئے آسان ہیں، نہ ممکن، اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقررہ رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم و ملزوم رہیں، اس لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے[۱]"

علامہ بحر العلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:-

"ادائیگی زکوٰۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ بہت بڑی عبادت ہے، جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول ثواب کے کچھ نہیں، چنانچہ نیت اس کے لئے فرض ہے، اگر بلا نیت کے ادا کرے گا تو جس طرح نماز بلا نیت کے نہیں ہوتی، زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی، البتہ نماز بلا نیت کے باطل ہو جاتی ہے، بخلاف زکوٰۃ کے جو بلا نیت کے ہدیہ ہو جاتی ہے، چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکار کے عمل کو ضائع نہیں کرتا[۲]"

زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات

زکوٰۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خودساختہ قوانین اور حکومت کے عائدکردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں، ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوٰۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے، اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے، اور اس کے اندر زندگی و اخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت و صلاحیت پیدا کر دی ہے، جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۹-۳۰ [۲] رسائل الارکان ص ۱۶۳

(خواہ اس میں انصاف اور امانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر وانذار

ان خصوصیات میں سب سے نمایاں، بنیادی اور موثر چیز ایمان واحتساب[1] کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈالتی ہے، اس روح یا اسپرٹ سے رسمی ٹیکس، سرکاری قوانین اور معاشی حدبندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی، گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اور اس پر اجر وثواب ملے گا، بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں، اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں، اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر تعیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے، اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب و ترہیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بجائے جرمانے، دھمکیاں، سزائیں اور خشک وسخت قوانین ہوتے ہیں، جن سے عوامی ناراضگی اور بے اطمینانی و بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکمتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، قرآن وحدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا وآخرت میں اس کے نتائج وثمرات، اجر وثواب، مال و دولت میں برکت یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ	جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے
اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہو کہ اس سے

[1] ایمان واحتساب کی مختصر تشریح نماز کے باب میں پاکی اور اس کا اہتمام کے عنوان سے گزر چکی ہے۔

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ
لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ
لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
(سورۂ بقرہ۔ ۲۶۱۔۲۶۲)

سات بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے
اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اللہ بڑا
وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے جو لوگ اپنا مال اللہ
کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے
عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کے
لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر
نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
(سورۂ بقرہ۔ ۲۷۴)

جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا
خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے
پروردگار کے پاس اجر ہے، نہ ان کے لئے کوئی خوف
ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ ۲۷۷)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل
کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے
ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر
کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ

کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر
دے پھر اللہ اسے اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے،

أَجْرٌ كَرِيمٌ (سورۂ حدید-۱۱)	اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔
إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا	بلاشبہ صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں (یہ جو)
اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ	اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرض دیں) تو وہ صدقہ ان کے
أَجْرٌ كَرِيمٌ (سورۂ حدید-۱۸)	لئے بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔
وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ	اور تم جو صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝ (سورۂ روم-۳۹)	ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔

ان خوشخبریوں اور بشارتوں کے ساتھ (جو انسان کی ضرورت اور فطرت بشری کا تقاضا ہے) مال جمع کرنے فقراء و اہلِ حاجت کی حق تلفی کرنے حقوق اللہ میں کوتاہی محض لالچ اور حرص اور اپنا دل خوش کرنے کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے شوق اور مال سے عشق پر بار بار تنبیہ اور وعیدوں سے کام لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور
وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ	اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انھیں ایک
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ	دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، اس روز (واقع ہوگا)
فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ	جبکہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا
وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ	جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے
فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝	پہلوؤں کو ان کی پشتوں کو داغا جائے گا یہی ہے وہ
(سورۂ توبہ-۳۴-۳۵)	جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزا چکھو
	اپنے جمع کرنے کا۔

اسی طرح لسانِ نبوت نے زکوٰۃ دینے والوں کو مختلف بشارتیں سنائی ہیں اور اس کو مال و اولاد

اور دنیا و آخرت دونوں جگہ باعث برکت اور باعث نجات بتایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جب کوئی اپنے پاک مال (اور اللہ تعالےٰ صرف پاک مال ہی پسند کرتا ہے) سے کچھ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیلیتا ہے اگر وہ کھجور ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں بڑھتا رہتا ہے اور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے یا بکری کے بچہ کی پرورش کرتا ہے"[1]۔

انھیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک آدمی کھلے میدان میں جا رہا تھا کہ اس نے بادل سے ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سینچ دو، چنانچہ بادل اپنی جگہ سے ہٹا اور سب پانی ایک قطعہ اراضی میں انڈیل آیا، وہاں ایک تالاب یا گہرائی تھی، جہاں سارا پانی بھر گیا، اس نے اس پانی کی طرف چلنا شروع کیا تو دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اس پانی سے اپنے کھیت سینچ رہا ہے، اس نے پوچھا اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے، اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا، اس نے پوچھا کہ اللہ کے بندے تم نے ہمارا نام کیوں پوچھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بادل سے جس کا یہ پانی ہے اس نام کے ساتھ ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سینچ آؤ، اب مجھے بتاؤ کہ تم اس کھیت میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا اب جبکہ تم پوچھ ہی رہے ہو تو سنو، میں اس کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہوں اور ایک تہائی دوبارہ اسی میں لگا دیتا ہوں"[2]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ کی وجہ سے آدمی کا مال کبھی کم نہیں ہوتا، اور معاف کرنے سے اللہ تعالےٰ بندہ کو عزت ہی عطا فرماتا ہے، اور جب کوئی اللہ تعالےٰ کے لئے تواضع سے کام لیتا ہے تو اس کو اللہ تعالےٰ بلند کرتا ہے"[3]۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ "کوئی صبح بندوں پر ایسی نہیں گزرتی کہ دو فرشتے نہ اترتے ہوں جن میں ایک یہ کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کے مال کو تلف کر دے"[4]۔

---

[1] صحاح ستہ باستثنا ابوداؤد [2] صحیح مسلم [3] مسلم، ترمذی، موطا [4] شیخین۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے بکری ذبح کی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس میں سے سوائے ایک دست کے کچھ نہیں بچا، آپؐ نے فرمایا کہ سوائے دست کے سب کچھ بچ گیا۔[1]

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی وعید سنائی ہے اور دنیا میں برے انجام اور آخرت میں بُرے حشر سے خبردار کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جس کو اللہ تعالےٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کا مال قیامت کے دن ایک سانپ کی شکل میں لایا جائے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی وہ اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا وہ اس کو اپنے دونوں جبڑوں میں جکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ" الخ"

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مالِ غنیمت لوٹ کا مال بن جائے، امانت مالِ غنیمت ہو جائے، زکوٰۃ جرمانہ اور تاوان بن جائے اور علم کو غیر دین کے لئے سیکھا جانے لگے، شوہر اپنی بیوی کی فرماں برداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرلے باپ کو دور کرے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کی سرداری اس کے سب سے زیادہ فاسق آدمی کے ہاتھ میں آجائے اور قوم کا سردار وہ ہو جو ان میں سب سے زیادہ رذیل ہو، آدمی کی عزت صرف اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جانے لگے، گانے والیاں اور باجے عام ہو جائیں، شرابیں پی جانے لگیں اور اس امت کے آخری دور کے لوگ دور اول کے لوگوں کو مطعون کرنے لگیں، اس وقت انتظار کرو سرخ آندھی کا، زلزلہ کا، دھنسنے کا، مسخ ہونے کا اور آفات کی بارش کا اور خدا کی نشانیوں کے اس طرح پے در پے ظہور کا جس طرح کوئی لڑی ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔"[2]

---

[1] جامع ترمذی۔ [2] ترمذی۔

ان فضائل اور ترغیب و ترہیب کی آیات و احادیث کا اثر یہ تھا کہ مسلمان خود اپنے نفوس کے نگراں بن گئے تھے، وہ ایک طرف بیت المال کے لئے رضا کارانہ طور پر رقم اکٹھا کرتے تھے اور دوسری طرف اہلِ حاجت اور فقرا کے وکیل اور نمائندے بھی بن گئے تھے، وہ زکوٰۃ کے مستحقین اور اس کے صحیح مصارف کے لئے بہت فکر و توجہ اور دیانت کے ساتھ جستجو کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حق جلد سے جلد ان سے ادا ہو جائے جب تک وہ کام پورا نہ کر لیتے تھے ان کو کھانے پینے اور کسی چیز میں لطف نہ آتا تھا صحابۂ کرامؓ اور تابعین کی زندگی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رویہ اور طرزِ زندگی کیا تھا اور ایمان نیز ترغیب و ترہیب کی ان احادیث نے ان کے دلوں کو کس درجہ متاثر کیا تھا، زکوٰۃ درحقیقت ان کے لئے نماز کی طرح تھی جس کی ادائیگی کے لئے ایک سچا مسلمان دل سے بے قرار ہوتا ہے اور جب تک نماز پڑھ نہ لے اس کے دل کو کسی طرح سکون نہیں ملتا۔

ان فضائل اور دینی شعور پیدا کرنے میں ان کے کردار کی اہمیت سے علماء اسلام خوب واقف تھے، اسی لئے انھوں نے اپنی کتابوں اور مواعظ میں ترغیب و ترہیب سے بہت کام لیا ہے اور اس بات پر بہت زور دیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ پر اس کا خاطر خواہ اثر پڑا، اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید زکوٰۃ کا رکن معطل ہی ہو جاتا اور چونکہ حکومتوں نے سرکاری اور باضابطہ طور پر اس کے حصول و تقسیم کا کام چھوڑ دیا تھا اس لئے مسلمان بھی اس کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقام و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

"انفاق کی ترغیب و فضیلت پر جو احادیث آئی ہیں، ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عمل سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوٰۃ کی روح ہے، اور تہذیبِ نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پا سکتا ہے بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی ہے کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوٰۃ کو نقصان پہونچا سکتی ہے، اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ "اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَاللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے، دوسرے موقع پر ارشاد ہے "إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ" بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے ایک مرتبہ فرمایا "إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ" بیشک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے۔"[1]

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوٰۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانہ کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات و نتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے، جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا "تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ" (ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غربا میں تقسیم کیا جائے) یہ زکوٰۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے، جو عہدِ اول میں نظر آتی ہے، اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہیئے، وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں، اور زکوٰۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی مقنن اور قانون ساز ادارہ یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا ہے کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ۔ (سورۂ توبہ۔ ۶۰)   صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں کا حق ہیں۔

شریعت اور احادیث نبوی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقرا اور اہل حاجت

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۱، ۳۲

ہیں، زکوٰۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فی صدی عامل نہ تھیں چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سایہ میں کبھی اپنے حقوق سے کلیتاً محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے، یہ وہ حکومتیں ہیں جن کی مذمت میں غرض مند مورخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں، بلکہ ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں، یہ ٹیکس (خواہ ظالمانہ ہوں یا عادلانہ، کم ہوں یا زیادہ) زیادہ تر متوسط طبقہ اور غرباء سے وصول کئے جاتے ہیں، اور اغنیاء و امراء کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں، یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں اور تاجروں پر لگائے ہوئے ٹیکس سے حاصل ہوتی ہے بڑی سخاوت بلکہ بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ صدرِ مملکت اور بیرونی مہمانوں کے استقبال اور ان کی شاہانہ اور پر تکلف ضیافتوں پر (جن کو دیکھ کر الف لیلہ کے خیالی قصے یاد آجاتے ہیں) بیرونی ملکوں کے سفارت خانوں کی شاندار کاکٹیل پارٹیوں پر جن میں شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے حکومتوں کی پروپگنڈہ مشنری پر جس کا کام عوام کی دولت کو لوٹنا اور ان کا خون چوسنا ہے غیر ملکی صحافیوں، نیوز ایجنسیوں اور ریڈیو کے اناؤنسروں پر جن کا مقصد جھوٹی خبریں گڑھنا، بے گناہوں پر الزام رکھنا اور اپنے دشمنوں کو دن رات گالی دینا اور ہر وقت بُرا بھلا کہنا ہے اور ان اخباروں پر جن کو آج کل فوجوں اور ہتھیاروں سے زیادہ مفید اور کارگر سمجھا جاتا ہے، خرچ کی جا رہی ہے، اور اس دولت کا سب سے بڑا مصرف ان ہی چیزوں کو سمجھ لیا گیا ہے آج ہر عوامی جمہوری، اشتراکی اور سوشلسٹ حکومت اسپنج کی طرح عوام کا خون چوستی ہے اور پروپگنڈہ، سیاسی رشوت اور صحافتی تلبیس کے سمندر میں انڈیل دیتی ہے اس لحاظ سے ان ٹیکسوں کی اصل تصویر اور موجودہ حکومتوں کا اصل مرقع پیش کرنے کے لئے اس سے

لہ اس کے ثبوت کے لئے امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" کافی ہے جو خلیفہ ہارون رشید کے ایماء اور تجویز پر لکھی گئی اور جس سے خراج، زکوٰۃ اور صدقات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی کہ یہ ٹیکس غرباء سے لے کر امراء کو دے دیا جاتا ہے" اسلامی زکوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالدار و مالک نصاب پر فرض کی گئی ہے اور جو اس امت کے ساتھ درحقیقت لطف و رحمت کا معاملہ اور نعمت نبوت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ایک ایسا ٹیکس ہے (اگر اس کو ٹیکس کہنا ضروری ہو) جس کا بار سب سے کم اور برکت سب سے زیادہ ہے اس لئے کہ وہ اغنیاء سے وصول کیا جاتا ہے، اور فقراء کو لوٹا دیا جاتا ہے۔

تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ

زکوٰۃ کا تیسرا امتیازی پہلو اخلاص، تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے، جو ہر لمحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب، اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے، اور زکوٰۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہلِ خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں، اور اپنے صدقہ و خیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں۔

قرآن اپنے معجزانہ پیرایہ بیان میں اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ
ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی	خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے
لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ	کام نہیں لیتے، ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے
عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور
وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ	نہ وہ غمگین ہوں گے، مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات
اَذًی ۝ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّھَا	سے بہتر ہے جس کے عقب میں اذیت ہو اللہ بڑا غنی ہے
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ	بڑا بردبار ہے، اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان

وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ	(رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کرو جس
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ	طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ	کو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا سو اس کی
وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ	مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے
عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى	پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○	کر دے (ایسے لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی
(سورۂ البقرہ۔ ۲۶۲ تا ۲۶۴)	سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھائے گا۔

اس نے ان اہلِ خیر کی مدح کی ہے، جن کے اندر تواضع و اخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے، اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں، ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ	اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور
اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○	ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انھیں
(سورۂ مومنون۔ ۶۰)	پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ	تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ	والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے
الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○[1] (سورۂ مائدہ۔ ۵۵)	رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔

ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ ان کو اخلاص کامل اور ہر قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا	اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور

[1] علامہ ابوحیان اندلسی بحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ "رکوع سے مراد یہاں خشوع و خضوع اور تعظیم و تواضع ہے نہ کہ وہ خاص ہیئت جو نماز میں ہوتی ہے۔" ج ۳ ص ۵۱۳

وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ	غریبوں کو اللہ کی محبت سے ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی
اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝	خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے (اس کا)
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا	عوض چاہیں اور نہ شکریہ ہم تو اپنے پروردگار کی
قَمْطَرِيْرًا ۝ (سورۂ دہر۔ ۸۔۱۰)	طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا۔

اس نے اس کی بھی ترغیب دی ہے کہ جو مال اللہ کے راستہ میں اور اللہ کے مستحق اور حاجت مند بندوں کے لئے نکالا جائے وہ پاک و اچھا مال ہو، وہ اس مال میں سے نہ ہو جس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ	اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ	خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ	زمین سے نکالی ہیں... اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ	کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝	والے نہیں ہو، بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ اور
(سورۂ بقرہ۔ ۲۶۷)	جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ باسی گوشت صدقہ کرنا چاہا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو تم نہیں کھا سکتیں اس میں سے صدقہ کرتی ہو؟"[1]

اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے ٹیکس (قطع نظر اس کے کہ وہ عادلانہ ہیں یا ظالمانہ) اس اخلاقی و روحانی اسپرٹ، تواضع نفس، نام و نمود سے پرہیز، اخلاص نیت اور اخلاص عمل، اپنے محبوب و پاکیزہ مال میں سے صدقہ کرنے کے جذبہ سے عاری ہوتے ہیں، بلکہ یہ ٹیکس زیادہ تر بے دلی، اکتاہٹ اور نفرت کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں، اس کے لئے اکثر قانونی حیلہ سازیوں کا سہارا لیا جاتا ہے، اور اگر مجبوراً دینا ہی پڑتا ہے،

---

[1] مسند احمد۔

تو پھر اس ناگوار کام کے لئے غیر قانونی طریقہ سے کمائے ہوئے مال کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ دراصل ان تمام لامذہبی، انسانی اور عصری قوانین کا مزاج ہے، جن کو کسی عقیدہ، دینی فکر اور روحانی تقدس کا سہارا حاصل نہیں۔

زکوٰۃ اور سود کا فرق

زکوٰۃ اور سود بخط مستقیم ایک دوسرے سے جدا ہیں، ان دونوں میں ایسے معنوی اور اخلاقی تضاد موجود ہیں، جو ابتدا ہی سے قائم ہو جاتے ہیں اور آخر تک ختم نہیں ہوتے، دونوں کے محرکات و عوامل ایک دوسرے کے ضد، مقاصد اور نتائج اور فرد و جماعت، معاشرہ اور انسانی سوسائٹی پر اثرات بالکل علیحدہ اور مختلف ہیں۔

زکوٰۃ کی روح خدا کا خوف اور اطاعت، اس کی رضا جوئی، فقراء کے حال پر غمخواری دل کی نرمی، اخلاص اور اغراض سے آزادی ہے، جبکہ سود کی روح خدا کی معصیت اس کے ساتھ اعلانِ جنگ، دل کی سختی، حد سے بڑھی ہوئی حرص، مال سے عشق اور مال کے ذریعہ سے اس کی نسل بڑھانے[1] کی کوشش، غرباء کی ضرورتوں اور ان کے فقر و ضعف سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے، زکوٰۃ کا نتیجہ اور اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ اس سے ایمان بڑھتا ہے، انشراحِ قلب، صفائی نفس، کرم و شرافت اور سخاوت و فیاضی کے جذبات کو قوت حاصل ہوتی ہے، سودی کاروبار کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انقباض، دل کی سختی، روح کی کثافت، اخلاق کی پستی، انسانی گوشت اور انسانی آبرو کے ساتھ سفاکانہ طرزِ عمل، آبروریزی، دوسروں کی کمزوریوں سے لطف اندوزی اور سوسائٹی کے کمزور عناصر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے ہمدردی و غمخواری کی روح عام ہو جاتی ہے، معاشرہ کے افراد میں خوشحالی نظر آنے لگتی ہے، مالوں میں برکت ہوتی ہے، دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے پر اعتماد

---

[1] اس لئے کہ سود خوار کا مال، مال کو پیدا کرتا ہے، اور بغیر کسی محنت و تجارت کے دولت آفرینی کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، زیادہ صاف الفاظ میں ایک ہی جگہ پڑے پڑے انڈے بچے دیتا رہتا ہے۔

اور بھروسہ کی فضا قائم ہوتی ہے سود کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور معاشرہ کے افراد کی کوششوں سے جمع شدہ مال ایک فرد یا چند افراد یا ایک محدود ترین ادارہ اور جماعت کے ہاتھوں میں محصور ہو جاتا ہے، مہاجن کی مثال اس معاشرہ میں ایک ایسے چھوٹے حوض کی ہے جہاں سارے شہر کی دولت کھنچ کھنچ کر جمع ہوتی رہتی ہے یا مقناطیس کے اس پہاڑ کی طرح جس کا ذکر سند باد جہازی کے قصہ میں آتا ہے کہ جب اس کی کشتی طوفان میں گھر گئی اور جگہ نکل گئی تو ملاح نے اچانک رونا شروع کیا جب اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ یہاں سے قریب ایک مقناطیس کا پہاڑ ہے وہاں پہونچ کر یہ ساری کیلیں کھنچ کر علیحدہ ہو جائیں گی اور کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جائے گی، اسی طرح یہ مہاجن اور سودی کاروبار کرنے والے بھی اپنے پاس ایک مقناطیس (سرمایہ) رکھتے ہیں اور یہ مقناطیس زندگی کی کشتی کی ان ساری کیلوں کو کھینچتا رہتا ہے، جو اس کے تختوں کو جوڑتی ہیں اور ایک کو دوسرے سے وابستہ رکھتی ہیں چنانچہ یہ اجزاء بالآخر جدا ہو جاتے ہیں زندگی کا گرم و سرخ اور صحتمند خون ضائع ہو جاتا ہے، معاشرہ ایک ایسے اخلاقی اور معاشی تپ دق میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے شفایابی اس کو پھر کبھی حاصل نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ مدقوق، مفلوج، معطل، محروم اور غمزدہ نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اس کا مکمل زوال ہو جاتا ہے۔

غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ سود کے نتائج صرف یہی ہیں افراد کے درمیان کشاکش، معاشرہ میں باہمی اعتماد کا فقدان، بدگمانی اور تاریک پہلو دیکھنے کی عادت، سودی کاروبار کرنے والوں کے درمیان رسّہ کشی فقراء و غرباء کا استحصال، اور دو بالکل علیحدہ اور نمایاں طبقوں کا وجود جن میں سے ایک بنی نوع انسان میں سے سمجھا جاتا ہے اور دوسرا جانوروں، کتوں اور بلیوں کی قسم سے، پہلا طبقہ امراء و اغنیاء کا طبقہ کہلاتا ہے اور دوسرا فقراء و غرباء کا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سود کی جس قدر مذمت کی گئی ہے اور اس کی جتنی مکروہ تصویر پیش کی گئی ہے اور اس کی مذمت میں جتنے سخت اور وعیدوں سے بھرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اتنی تعریف زکوٰۃ کی نہیں کی گئی ہے .... منکرات و فواحش اور اخلاق ذمیمہ کی مذمت میں بھی

میں بھی قرآن مجید کا اسلوب وہ نہیں ہے، جو اس نے سود کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے، یہ وہ اسلوب بیان ہے، جس سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ دل سینہ سے نکل آئے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ
مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ
تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ
وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ
وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۲۷۸-۲۷۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے
اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو
خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف
سے، اور اگر تم توبہ کر لوگے تو تمہارے اصل اموال تمہارے
ہی ہیں، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا۔

اس نے سود خوار کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے ایک مومن کے دل میں نفرت و کراہت خود پیدا ہونے لگتی ہے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا
كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ
الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ
الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ
رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۝ وَأَمْرُهُ
إِلَى اللَّهِ ۝ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
(سورۂ بقرہ - ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے
ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے
شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لئے
ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے
حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام
کیا ہے، پھر جس۔ ۔ کسی کو نصیحت اس کے پروردگار
کی طرف سے پہونچے گی، اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے
ہو چکا وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے
حوالے رہا، اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ
دوزخ والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

قرآن مجید نے سود اور صدقات کا موازنہ کئی جگہ کیا ہے، اور ان دونوں کے آثار و نتائج ایسے

معجزانہ جملوں میں بیان کئے ہیں جن کی تشریح و تفصیل کے لئے درحقیقت ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اور جن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے علم الاقتصاد، اور سود خوار ملکوں اور اقوام کی معاشی و ذہنی حالت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ	اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (سورۂ بقرہ ۲۷۶)	اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو کچھ تم اس غرض سے دوگے کہ لوگوں کے مال میں
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ	پہنچ کر زیادہ ہو جائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتا
زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	اور تم جو صدقہ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے
هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (سورۂ روم۔ ۳۹)	ہوگے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی زکوٰۃ اور صدقات کی تعریف فرمائی ہے، اور مسلمانوں کے مال میں اس کی وجہ سے جو خیر و برکت ہوتی ہے، اس کا ذکر کیا ہے (وہ احادیث جن میں مال میں برکت اور صدقہ کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان ہے اوپر گزر چکی ہیں) اور اسی کے ساتھ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو دنیا میں فوری سزا اور ابتلا کی سخت وعید بھی سنائی ہے، بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب کوئی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیتا ہے"[۱]۔

اسی طرح سودی کاروبار کرنے والوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت سزا اور عذاب کی وعید ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب کسی قوم میں سود کا عام رواج ہو جاتا ہے تو وہ قحط میں مبتلا

---

[۱] اوسط طبرانی۔

کردی جاتی ہے' اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو وہ رعب میں گرفتار ہو جاتی ہے[1]' یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے' سود لینے والے اور دینے والے اور اس کو لکھنے اور صدقہ نہ دینے والے پر[2]"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا میرا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ گھر کی طرح تھے اس میں سانپ تھے' جو باہر سے نظر آتے تھے' میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود خوار ہیں[3]"

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں سود عام کر دیتا ہے[4]"

اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ کی تاریخ' اس کے اخلاقی پہلو' احکام شرعیہ کا اجراء' اوامر الٰہیہ کی تنفیذ اور اس میں خیر و برکت' امن و اطمینان' خوش حالی اور فارغ البالی کا جائزہ لے گا' جو احکام شرعیہ کے نفاذ کی برکت سے پیدا ہوئی تھی' نیز اس تنگی و دشواری اور پریشان حالی پر بھی ایک نظر ڈالے گا جو شریعت کے ترک اور فرائض کے تعطل کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ پر چھا گئیں تو وہ ان احادیث نبوی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا' جو ابھی اوپر گزری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۂ نحل۔ ۹۷)

نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورۂ طٰہٰ ۱۲۴)

جو کوئی میری نصیحت سے اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

[1] مستدرک و نسائی [2] ایضاً [3] روایت احمد و ابن ماجہ [4] کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۳ روایت حضرت ابوہریرہ رضی

قانون زکوٰۃ میں اسلامی اصلاحات

اسلام نے جس طرح دوسرے ارکان مثلاً نماز، روزہ اور حج میں مختلف اصلاحات کی ہیں، اسی طرح اس نے زکوٰۃ میں بھی اپنا اصلاحی کردار ادا کیا ہے، یہ اصلاحات زکوٰۃ کے قانون اور اس کے احکام کے تمام انفرادی اور اجتماعی مصالح پر حاوی ہیں، اور تحریف و فساد کی ان تمام آلائشوں سے پاک ہیں، جن میں گذشتہ قومیں اور تحریف شدہ مذاہب ملوث نظر آتے ہیں۔

قدیم مذاہب میں صدقہ و زکوٰۃ کا تصور

جو شخص علمی اور قانونی طریقۂ کار کا عادی اور حدود و قوانین فقہی احکام، اور اسلامی شریعت کے قانونی تفصیلات سے باخبر ہے، وہ جب قدیم مذاہب میں زکوٰۃ کا متعین، واضح اور مفصل قانون تلاش کرنا چاہتا ہے تو اس کو بڑی ناکامی اور مایوسی ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ان مذاہب میں زکوٰۃ و صدقات کا قانون چند مختصر اور منتشر ضابطوں یا احکام پر مشتمل ہے جن کو اخلاقی و روحانی نصائح یا ہدایات کہنا زیادہ صحیح ہوگا، ان کی شکل فقہی احکام اور قانونی تفصیلات سے زیادہ عام دینی مشوروں کی سی ہے جن میں کوئی متعین اور واضح حکم مشکل ہی سے ملتا ہے، طویل جستجو کے بعد بھی اس کو اس فریضہ کے سلسلہ میں صرف چند بنیادی مباحث ہاتھ لگتے ہیں، اور ایک دھندلی تصویر سے زیادہ کوئی چیز اس کی گرفت میں نہیں آتی۔

مثلاً اگر وہ جاننا چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کس شخص پر اور کن چیزوں پر واجب تھی، اس کا نصاب کیا ہے، زکوٰۃ کن لوگوں کو دی جاتی تھی، اس کی کم سے کم مقدار کیا تھی، اس کا مستحق کون تھا؟ تو اس کو ان سوالوں کا بہت کم تشفی بخش جواب ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں حدیث و فقہ کی کتابوں میں ان سوالوں کے ہر ہر جزو کا تشفی بخش جواب موجود ہے، اور اس کی تفصیلات اور تحقیقات میں ایک پورا کتب خانہ تیار کیا جاچکا ہے۔

ہم کو اس نئی اور مختلف صورت حال سے سابقہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب میں پیش آتا ہے اور اس کی وجہ سے عبادت و معاملات اور فقہ و احکام میں اسلام اور دوسرے مذاہب کے تقابلی مطالعہ میں خاصی دشواری پڑتی ہے۔
پھر بھی ہم دنیا کے تین قدیم و عظیم مذاہب (ہندو مذہب، یہودیت و عیسائیت) میں صدقہ و خیرات کے تصور اور اس کے اس نظام کو پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو ان مذاہب کے فضلاء یا غیر جانبدار مغربی محققین کی کتابوں میں پیش کیا گیا ہے۔

صدقہ و خیرات ہندو مذہب میں

ہم سب سے پہلے مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کے فاضل مقالہ نگار (ASGE DEN) کے اس مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں ہندو مذہب میں صدقہ و خیرات کے تصور و عقیدہ، اس کے انواع و اقسام، اس کے طریقۂ عمل اور مختلف ادوار میں اس کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ بڑی حد تک ایک مستند اور محققانہ کوشش ہے، جس میں صرف اصل نظریات و ضوابط پیش کئے گئے ہیں اور کسی قسم کی تنقید و موازنہ اور اپنی طرف سے نتائج نکالنے سے احتراز کیا گیا ہے مقالہ نگار لکھتا ہے :۔

"خیرات (دان) ہندوؤں کے نزدیک ایک مذہبی فرض ہے اور کئی اہم اعتبارات سے اصول و عمل دونوں ہی میں مغرب کے تصور خیرات سے مختلف ہے، ازراہِ ہمدردی و ترحم غربا اور مساکین کو ہدیہ دینے کا تصور ہندو دھرم میں مفقود ہے لیکن فیاضی کی رسم جتنی ہندوستان میں عام ہے شاید وہ کہیں نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ فقیروں اور درویشوں کی بڑی بڑی جماعتیں .... بلا روک ٹوک اِدھر اُدھر اسی وقت گھوم سکتی ہیں، جبکہ ان کو یقین ہو کہ ان کی ضروریات ہر جگہ پوری ہوں گی اور یہ وہیں ہو سکتا ہے، جہاں کہ ایسے فرض کو عمومی طور پر تسلیم کیا جاتا ہو اور اس پر عمل بھی ہوتا ہو، منو کا بھی کہنا ہے کہ اس دورِ کلجگ میں صفت فیاضی مخصوص ہے، اور

سب کا فرض ہے لیکن اس خیرات کے پانے والے (مستحقین) صرف برہمن اور درویشوں کی مخصوص جماعتیں ہی سمجھی گئی ہیں، سماج کی دوسری تمام جماعتوں سے امداد اور ہدیہ کشنا نذرانہ... حاصل کرنا انھیں کو حق ہے اور ان عطیوں کا ثواب ان دینے والے کو عطیوں کی مقدار کے مطابق ملتا ہے۔

اسی طور پر ہندوستان میں خیرات کا ایک مذہبی مقصد ہوتا ہے یعنی بعد کی زندگی میں[1] جزائے خیر اور ذاتی فائدوں کا حاصل کرنا، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی تعلیم اور ان کے اصول بے لوث فیاضی، داد و دہش کے لئے کوئی مقام نہیں دیتے لیکن اس معاملہ میں اکثر ہنود اپنے مذہب سے بالاتر ہیں، خیرات کے مغربی تصور سے ملتا جلتا عمل صرف درویشوں کی چند جماعتوں میں ملتا ہے جو کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ غربا کی امداد اور کار خیر میں صرف کرتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ درویشوں کے اس عمل میں بدھ مذہب کی نیک اور کریمانہ تعلیمات کا اثر موجود ہے، تیوہاروں اور یاتراؤں (زیارتوں) کے خاص مواقع پر مٹھ (خانقاہ) کے بڑے پجاری (منتظم) تمام زائرین کی ضیافت کرتے ہیں اور خرچ کا مطلق خیال نہیں کرتے لیکن ان صورتوں کا بنیادی تصور ہندوستانی ہے نہ کہ مغربی یا عیسائی، فی الحقیقت درویشوں کو فیاضی کا عہد کرنا پڑتا ہے، جو کچھ اور نہ دے سکیں تو انھیں اپنی کتابیں ہی بطور خیرات دینی چاہئیں، لیکن بالعموم فقیر اور درویش دیتے نہیں بلکہ لیتے ہیں، لیکن عوام اور غیر برہمن آبادی میں خیرات کی ضرورتوں اور مواقع کو بڑی حد تک ذاتوں اور مشترکہ خاندانوں کے رواجوں سے پورا کیا جاتا ہے (یعنی مختلف مواقع پر خیرات لازمی ہوتی ہے) جہاں کہ فرد کا بار پوری جماعت پر ہوتا ہے۔

ویدوں کی مقدس دعاؤں کے زمانہ میں بھی دان اور دکشنا (خیرات) کا تصور شعراء کے ذہن میں ایک مقام رکھتا تھا، خیرات کرنے والے کا ثواب اور اس کے علو شان کا بار بار ذکر آتا ہے، ویدک لٹریچر میں بالعموم اور ازمنۂ آخری کی سمرتیوں خصوصاً دھرم شاستروں اور پراڑوں میں گھر بار والوں پر

---

[1] یہاں پر یاد رکھنا چاہئے کہ آواگون (تناسخ) کا عقیدہ ہندو مذاہب کا مشترک اور بنیادی عقیدہ ہے۔

جو فرائض عائد کئے گئے ہیں ان میں خیرات کا مقام بلند رکھا گیا ہے اور ان لوگوں کی تفصیلات بیان کرنے میں بہت احتیاط برتی گئی ہے (اگرچہ ان پر اتفاق نہیں) جن کو خیرات ملنی چاہیئے انہوں نے اس مسئلہ پر باقاعدہ اور واضح قوانین مرتب کئے ہیں جو کہ ہندو رسم و رواج (متعلق خیرات) پر آج بھی اثر انداز ہیں (علاوہ ان صورتوں کے جہاں کہ ہندو رسوم نے یوروپین یعنی مغربی اثرات کو قبول کیا ہے) اس خیرات کو دَھرم مَستھان ...... یعنی مذہبی ثواب حاصل کرنے کے لئے وسائل بتلایا گیا ہے اسکنڈپونا ...... کا ایک مکمل باب اصول خیرات ہی پر ہے اور ہماڈرا (HEMADRA) نے اپنی بڑی تصنیف کا نصفِ آخر اسی مسئلہ کے لئے وقف کیا ہے۔

اس طرح تمام ہندو درویش خیرات ہی پر گذر کرتے ہیں، مغرب میں اسی قسم کی جماعتیں بڑی مشقت اور قربانی کی زندگی بسر کرتی ہیں اس کے برخلاف ہندو درویش اپنی روزی محنت سے نہیں کماتے اور نہ کما سکتے ہیں بلکہ ان کو دوسروں کی خیرات کا محتاج رہنا پڑتا ہے یہ تنظیم اور وسیع پیمانے پر بھیک مانگنے کی رسم ہندوستان میں ازمنۂ قدیم سے چلی آتی ہے اور اِدھر اُدھر گھومنے والے بھکاریوں کی فوج کا بار (جبکہ وہ خود کچھ نہیں کماتے) پوری آبادی کے غریب طبقات پر ہمیشہ ایک بڑا بار رہا ہوگا۔

برہمن دھرم ہی سے بدھ مذہب نے بھی فریضۂ خیرات کا تصور ورثہ میں پایا، انھوں نے مذہب کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے والوں کے لئے داد و دہش کے فریضہ کے قدیم اصول کو ترقی دے کر زیادہ منظم بنایا اور اس کی بنیادوں کو وسیع کیا۔

شاکیہ مُنی (یعنی خود بودھ جی) کسی پچھلی زندگی میں دان شُور ...... فیاضی کے ہیرو رہ چکے تھے، اس لئے ایسے رسم و رواج بدھ مت کے اخلاقی اور سماجی نظام میں کوئی نئی چیز نہ تھے جین دھرم نے بھی (جو کہ ازمنۂ قدیم کی برہمن دھرم سے اختلاف کرنے والی دوسری بڑی جماعت تھی) اگرچہ برہمنوں کے خیرات حاصل کرنے کے غیر معمولی استحقاق کو رد کیا، لیکن درویش اور ریاضت میں

مصروف فرد کے بار کو عوام پر عائد کیا ہے ان دونوں صورتوں میں (یعنی بودھ اور جین) میں سے کسی نے بھی کوئی نیا اصول وضع نہیں کیا بلکہ ایک قدیم رسم (خیرات) کو مذہب کے سکھانے والوں اور درویشوں کی جماعتوں کے لئے تسلیم کیا اور اس کو جاری رکھا۔

اس قسم کے عطیات بالعموم دو قسم کے ہوا کرتے تھے، پہلی صورت تھی جائدادوں (مکانات وعمارات) کا وقف کر دینا یا دیہاتوں کی آمدنی کو خیرات کے لئے وقف کرنا یا آمدنی کا عشر (دسواں حصہ) خیرات میں دینا، اس کے علاوہ دوسری صورت میں تیوہاروں، سالانہ تقاریب اور خاندانی رسوم کے موقعوں پر برہمنوں کو نقد اور خوراک کی شکل میں غیر معمولی آمدنی ہو جاتی تھی، اسی ضمن میں وہ ساز و سامان کا دان بھی آجاتا ہے جو گھومنے والے بھکاری جاہل دیہاتیوں کے توہمات عقائد اور ڈر کی بنا پر حاصل کر لیتے تھے۔

مہادان (خیرات کبیر) دس سے سولہ تک تھیں، ان میں سب سے اہم سونا تھا، اس کے بعد عمارتیں، گاؤں کی آمدنی وغیرہ، سونے کی خیرات میں سب سے زیادہ قیمت والا اور اسی لئے سب سے زیادہ ثواب رکھنے والا مثلاً تُلا پُرش تُلا دان تھا، معطی (دان دینے والا) اپنے آپ کو سونے میں تلواتا تھا پھر یہ سونا مجمع برہمنوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ بارہویں صدی میں قنوج کے ایک راجا نے یہ قیمتی دان سو بار کیا، دوسری مثال متھلا (MITHILA) (بہار کی ایک قدیم چھوٹی سلطنت) کے وزیر کی ہے جس نے چودھویں صدی کے آغاز میں یہی عمل کیا، چینی سیاح ہوئن سیانگ (HIUEN TSANG) نے شاہ قنوج شلا دتیہ (یعنی ہرش اردھن) کی داد و دہش کا عجیب و غریب بیان دیا ہے، وہ ہر پانچویں سال اپنی جملہ ملکیت کو تمام و کمال خیرات میں دے ڈالتا تھا، اسی قسم کی مسرفانہ خیرات میں کبھی کبھی زیادہ قیمتی دھات (سونے) کے بجائے چاندی کا استعمال کیا جاتا تھا، جنیو (زنار) کی رسوم کے سلسلہ میں بھی سونے سے بنی ہوئی گائے یا کنول کا پھول ایک اہم حیثیت رکھتا تھا، رسم کے خاتمہ پر اس کو توڑ ڈالا جاتا تھا اور ٹکڑے برہمنوں پر تقسیم کر دیئے جاتے تھے یا مندر کو دے دیئے جاتے تھے، شاہی اور مالدار میزبان اسی طرح

کبھی کبھی مہمانوں کو سونے چاندی کے وہ ظروف بھی دے ڈالتے تھے، جو کہ دعوت میں استعمال ہوئے ہوں، درویشوں کے مٹھوں (خانقاہوں) کو اور برہمنوں کو دیہی علاقوں کے یا مالگزاری کے دان دیئے جانے کا رواج ہندوستان میں قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، اشوک کے قدیم کتبوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اور روایات کے بموجب اسی شہنشاہ کو اس کی آخری زندگی میں اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو مسرفانہ فیاضی سے برباد کر لینے سے قریب قریب بزور قوت روکا گیا، ایسے عطیات اور وقف آج بھی زیادہ غیر معمولی نہیں ہیں، برہمنوں کو کھانا کھلانا بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے، اور برہمنوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو اتنا ہی افضل کار ثواب گردانا جاتا ہے، کسی قدر کم پیمانے پر ہر خاندانی تقریب، برسی یا دعوت کے موقع پر بھی کیا جاتا ہے، اور بڑے بڑے تیوہاروں کے موقع پر اس خیرات کا وسیع انتظام کیا جاتا ہے، اور یاتریوں اور درویشوں کی بڑی بڑی جماعتوں کی کئی کئی دن تک ضیافت کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں اُشَوَدَاتْ..... کی مثال دی جاتی ہے، جس کے ایک غار کے کتبہ سے (جو کہ پہلی صدی کا سمجھا گیا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس امر پر بڑا فخر تھا کہ وہ سالانہ ایک لاکھ برہمنوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا، اور ایک لاکھ گایوں کا اور نیز سولہ گاؤں، سیر و تفریح گاہوں اور تالاب وغیرہ کا دان کرتا تھا، ازمنۂ قدیم میں اکثر ایسے بادشاہوں کا ذکر آتا ہے، جو متعدد برہمنوں کو عرصۂ دراز تک یا عمر بھر پالتے تھے، یورپ کے دورِ وسطی (MIDDLE AGES) کے مٹھوں (خانقاہوں) کی طرح ہندوستان میں بھی درویشوں کی جماعتیں دیہی ملکیت اور دیوتاؤں کی جائدادوں سے مالا مال رہتی تھیں، کبھی کبھی سلطنت کی آمدنی اور ملکیت کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ میں آجاتا تھا۔

شمالی ہندوستان میں باقاعدہ خیرات دہی یعنی مقررہ عطیات یا آمدنی کا دسواں حصہ درویشوں کی جماعتوں یا منفرد گرُو (معلم) کے لئے جو کہ کسی مکتب خیال کا مسلّم پیشوا ہو، جنوبی ہندوستان کی بہ نسبت بہت کم ہے، واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں مذہبی پیشواؤں کا زیادہ اثر نہیں ہے، جنوبی ہند میں

مقررہ رقوم وصول کی جاتی ہیں، اور قانونی کارروائی اور زبردستی کے علاوہ ایسے رقوم وصول کرنے کے لئے اور سب ممکن ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں، یہ مذہبی پیشوا اپنے اپنے علاقہ کے خاص خاص شہروں میں دورہ کرتے ہیں، اور ان دوروں کے وقت معین اور مسلّم عطیات طلب کرلئے جاتے ہیں، مذہبی اداروں کے باقاعدہ عطیوں کی شکل جنوبی ہندوستان میں جائدادوں کی آمدنی کا وقف ہے، یہ صورت شمالی ہندوستان میں اس درجہ نہیں ہے، اسی آمدنی سے ان اداروں میں مستقل طور پر رہنے والے درویشوں اور پجاریوں کا خرچ پورا ہوتا ہے، ان خیرات اور صدقات دینے والے لوگوں کے مقصد اور نیت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ بڑی حد تک وہی ہوتی ہے جو کہ تیوہاروں کے موقعوں پر دیہات کی عام خیرات کے مواقع پر (لوگوں کی) ہوتی ہے۔

انفرادی خیرات کے لئے ایک قاعدہ مقرر تھا کہ کسی کو خیرات کرتے وقت اتنا نہ دے ڈالنا چاہئے کہ اس کے بیوی بچے محتاج ہوجائیں، دوسرے قواعد کی بموجب یہ مقرر تھا کہ گؤدان ہزار گائیوں سے زیادہ کا نہ ہو، دوسرے عطیات کا بھی تعین کردیا گیا تھا، نیز یہ کہ جس عطیہ کو ایک (برہمن) نے لینے سے انکار کردیا ہو اس کو دوسرا بھی نہ قبول کرے، نیز یہ کہ جس روز کوئی عطیہ دیا جائے اسی روز اس کو کسی کو نہ دے دیا جائے، مستحقین خیرات کی بھی باقاعدہ تفصیل بہ اعتبار استحقاق کردی گئی تھی، ان میں سے کچھ کو خیرات دینا نہ صرف ممنوع بلکہ گناہ سمجھا جاتا تھا، اصولاً ہر اونچی ذات والے ہندو کا فرض ہے کہ جب وہ معینہ مدت تک گھر بار کی زندگی بسر کرچکے اور اس کے ایک لڑکا ہوجائے جو کہ اس کی نسل کو جاری رکھ سکے تو اس کو اپنی جملہ ملکیت برہمنوں کو دان کردینا چاہئے، اور خود بے گھر اور بے سامان ہوکر جنگل میں وان پرستھ .... کی زندگی بسر کرنی چاہئے اور اس کے بعد اس کو سنیاسی ہوجانا چاہئے، سنیاسی ہونے کی صورت میں اپنی خوراک کے لئے اس کو در در بھیک مانگنا چاہئے، ایسے درویش بالعموم کوئی شئے بطور ملکیت نہیں رکھتے، ان کے پاس صرف ناریل یا کسی

دھات کا بنا ہوا ایک کاسۂ گدائی، ایک پانی کی چھاگل اور کبھی کبھی ایک ڈنڈا اور ایک مالا ہوتی ہے،
دورِ حاضر میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ، با اثر اور دولت مند لوگوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے
سب کچھ ترک کرکے زندگی کے آخری حصہ کو غریبی اور مذہبی مراقبہ کے لئے وقف کر دیا، اور جماعت
اور عام انسانوں کی خیرات پر زندگی گذاری۔

ہندوؤں میں خیرات کی ایک اور شکل بھی (از منۂ قدیم سے) چلی آتی ہے، وہ یہ کہ گئوسالوں.....
کے لئے عطیے دیئے جائیں، اور یہ ادارے کہیں کہیں بہت قدیم ہیں، بنارس اور دوسری جگہوں
پر بھی، بیمار، لولی لنگڑی گایوں کو کھانا اور پناہ مہیا کی جاتی ہے جس کے لئے نیک اور پرہیزگار لوگ
فیاضی سے چندے دیتے ہیں اور ایمان والے روزانہ کچھ نہ کچھ پیش کرتے ہیں، ہندوستان میں اس قسم کی
خیرات مجموعی طور پر بہت زیادہ ہوگی"[1]

اس مقالہ سے قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ صدقہ و خیرات کے اس وسیع نظام میں جو ہندوستان کے
وسیع سے وسیع تر رقبہ اور تاریخ کے طویل سے طویل تر دور میں رائج رہا ہے، برہمنوں کو مرکزی مقام اور دائرہ
میں نقطہ کی حیثیت حاصل رہی ہے اور یہ سارا نظام ان کے گرد گردش کرتا رہا ہے، برہمنوں کے بعد درویشوں
اور تارک الدنیا سنّیاسیوں کا نمبر آتا ہے، اس طرح (بلا ارادہ و بلا قصد سہی) ہندو معاشرہ میں ایک ایسے طبقہ کا
نشو و نما ہوتا ہے جس کی بسر اوقات اور جس کا تمام تر انحصار اس کے ہم مذہب لوگوں کے عطیات، مذہبی خیرات
اور جذبۂ فیاضی پر رہ جاتا ہے، فطرت انسانی اس سے جو غلط فائدہ اٹھاتی ہے اور اس سے جو اخلاقی کمزوری
پیدا ہوتی ہے، دوسروں کی محنتوں پر تکیہ کرنا، مفت خوری اور بیکاری، کاہلی اور آرام طلبی اور اس سے پیدا
ہونے والی جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں ان کا تصور کرنا کچھ مشکل نہیں، یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس مذہبی نظام
میں (خواہ اس کو دورِ انحطاط کی خصوصیت سمجھ لیا جائے) خیرات لینا.......... نہ صرف محمود بلکہ

[1] ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL. III - CHARITY (ALMSGIVING) (HINDU)

تزکیۂ نفس کے لئے ایک حد تک ضروری خیال کیا جاتا تھا اس کے تیجہ میں ہندوستان کے بعض مذاہب میں دریوزہ گری (اپنی صدا نہ صدا نہ جاکر بھیک مانگنے اور اس سے اپنا پیٹ بھرنے) کو مستقل عبادت اور اصلاحِ نفس کا ایک مؤثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے، اور خاص طبقوں کے لئے اس کو روزمرہ کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے، بھکشوؤں (MONKS) کا یہ طبقہ ان ممالک میں جہاں بدھ مذہب والوں کی غالب اکثریت ہے بہت نمایاں طریقہ پر دیکھا جاسکتا ہے، برما میں ہر غیر ملکی سیاح کو یہ چیز اپنی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتی ہے،[1] اس طبقہ کی روز افزوں تعداد، ملک کی آبادی کے ایک طبقہ کو یکسر معطل ہو جانے کے مسئلہ اور اس کے اخلاقی حالات نے وہاں کی سماجی زندگی میں بہت سی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔

اسی طرح سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس نظام اور ان مذہبی تعلیمات و ہدایات میں تنظیم اور تعین کا وہ اہتمام نہیں پایا جاتا جو سامی مذاہب میں تقریباً مشترک ہے، ان مذاہب میں عبادات سے لے کر رسوم تک انتخاب کی وہ آزادی اور مقامی حالات کی رعایت اور ایسی لچک رکھی گئی ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کا ضابطۂ حیات اور مذہبی نظام دوسرے حصہ کے ضابطۂ حیات اور مذہبی نظام سے اتنا مختلف ہو کر رہ گیا ہے کہ اس پر ایک ہی مذہب کا اطلاق مشکل ہو جاتا ہے۔

صدقہ و خیرات یہودی مذہب میں

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرۃ النبی (جلد پنجم) میں "زکوٰۃ گذشتہ مذاہب میں" کے عنوان کے ما تحت لکھتے ہیں:۔

"زکوٰۃ بھی ان عبادات میں سے ہے، جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے لیکن ان کے پیروؤں نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ بظاہر ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں

---

[1] مصنف کتاب ہذا نے سنہ ۱۹۶۰ء میں جب برما کا سفر کیا اور اس کو رنگون، ماندلے اور بعض دوسرے اہم مقامات پر قیام کا موقعہ ملا تو اس نے کثیر التعداد بھکشوں اور ان کے روزمرہ کے معمولات کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور دریوزہ گری کے وہ مناظر دیکھے جن کو وہ فراموش نہیں کر سکتا۔

اس کا نام بھی نظر نہیں آتا، حالانکہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے اور اس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے کہ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزء لاینفک تھی اسی طرح زکوٰۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جزء رہی ہے بنی اسرائیل سے خدا کا جو عہد تھا اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں تھیں۔

اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ (سورۂ بقرہ۔۸۳)	ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ کھڑی رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ۔
لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ۔ (سورۂ مائدہ۔۱۲)	اے بنی اسرائیل اگر تم کھڑی رکھتے نماز اور دیتے رہتے زکوٰۃ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا وَّكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (سورۂ مریم ۵۴، ۵۵)	اور قرآن میں اسماعیل کا ذکر کر بیشک وہ وعدہ کا سچا تھا اور وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر تھا اور وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتا تھا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں:۔

وَاَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (سورۂ مریم۔۳۱)	اور خدا نے مجھ کو زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی۔

توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عشر یعنی دسواں حصہ (احبار۔۲۷۔۳۰۔۳۲) نیز ہر بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب آدھا مثقال دینا واجب تھا (خروج۔۳۰۔۱۳۔۱۵) ساتھ ہی غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج کھلیان کی منتشر بالیں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوٰۃ تھی، اور ہر تیسرے سال

واجب الادا ہوتی تھی یہ رقم بیت المقدس کے خزانہ میں جمع کی جاتی تھی اس کا ساٹھواں حصہ مذہبی عہدہ دار پاتے تھے، دسواں حصہ حضرت ہارون کی اولاد (للاویین) قومی خاندانی کاہن ہونے کی حیثیت سے لیتی تھی، اور تیسرے سال میں دسواں حصہ بیت المقدس کے حاجیوں کی بھلائی کے لئے رکھا جاتا تھا[1] اسی مد سے عام مسافروں، غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کو روزانہ کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا تھا، اور نقد آدھے مثقال والی زکوٰۃ کی رقم جماعت کے خیمہ (یا مسجد بیت المقدس) اور قربانی کے ظروف وآلات کی خریداری کے خرچ کے لئے رہتی تھی (تورات: خروج ۳۰۔ ۱۲۔ ۳۸۔ ۲۴)"[2]

ہندوستانی مذاہب کے مقابلہ میں یہودی مذہب میں جو انبیاء کی تعلیمات پر ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں مبنی رہا ہے اور جس پر آرین نسل کے مذاہب کے مقابلہ میں نبوت کا زیادہ عرصہ تک سایہ رہا ہے خیرات وصدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اقدار سے زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے، ہندو مذہب کے مقابلہ میں (جس کی ہدایات وتعلیمات کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے) یہودیوں کی مقدس کتابوں میں مفت خوری اور خیرات پر گذارا کرنے کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھا گیا ہے اور نہ اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے، بلکہ اس کے برخلاف غرباء کے طبقہ میں خود اعتمادی وخودداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بنسیرا (BENSIRA) کا کہنا ہے "ایک غریب انسان کا اپنی لٹھوں کی جھونپڑی میں رہنا دوسرے شخص کے مکان کے آرام وآسائش سے کہیں بہتر ہے، در بدر پھرنا ایک بڑی خرابی ہے" (SIRA 22-24-28) زکوٰۃ وخیرات کے فضائل اور اس کے دنیوی واخروی منافع کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اسلامی تعلیمات سے زیادہ قریب ہے خیرات کی انواع واقسام کی کثرت، اس کے تصور میں وسعت، اور ہر اس چیز پر اس کے حاوی ہونے کا عقیدہ جو کسی دوسرے آدمی کے لئے راحت رساں اور مسرت بخش ہو اسلامی تعلیمات اور قرآن وحدیث کی ہدایات سے مشابہ نظر آتا ہے، ان تعلیمات میں انسانی جذبات کی رعایت اور نازک احساسات کی جھلک بھی نظر آتی ہے، جن کا اعلیٰ وارفع

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "خیرات" (CHARITY) باب "یہودیوں میں خیرات" [2] سیرۃ النبی ج ۵ صفحہ ۱۴۹-۱۴۸

نمونہ اسلامی تعلیمات میں نظر آتا ہے' ابوتھ (ABOTH 1-5) کے بیان کے مطابق زکوٰۃ وخیرات کا فرض انسانی معاشرہ کے ارکان میں سے ایک ہے نیز اس کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ غریب کو بھی خیرات دینی چاہیے۔

یہودی تعلیمات کے مطابق خیرات دہندہ کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) خیرات میں دینا لازمی ہے' لیکن پانچویں حصہ سے خیرات نہ دینا چاہیئے، مبادا خیرات دینے والا خود خیرات کا طالب ہونے پر مجبور ہو جائے' (KETHUBOTH 50 A) خیرات کے حصول میں بوقت ضرورت حکومت کی مداخلت کی بھی اجازت دی گئی ہے' (KETHUBOTH 19 B) میں ہے "بخیل لوگ جو کہ خیرات دینے سے انکار کریں یا جو اپنی حیثیت کے مطابق خیرات نہ دیتے ہوں ان کو حکام کی طرف سے مجبور کیا جائے' اور اگر ضرورت ہو تو مجرم کو مارا جائے یہاں تک کہ وہ حکم کی تعمیل کرے" اس طرح سے اسلام کی تعلیم کی طرح خیرات دینے والے کے خاندان کو اس سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے' ان کو اس کا زیادہ حقدار بنایا گیا ہے' حدیث نبوی ہے "ابدأ بمن تعول"[1] (خرچ میں ان سے آغاز کرو جو تمہاری پرورش میں ہیں) (BABAMEZIA) میں ہے "خیرات سے سب سے پہلے خاندان کو مستفید ہونا چاہیئے' اول والدین پھر بھائی بہن اس کے بعد اپنی بستی کے غریبوں کی باری آتی ہے' اس کے بعد دوسری بستیوں کے رہنے والے"

"خیرات یہودیوں اور غیر یہودیوں کو یکساں طور پر دی جا سکتی ہے" (GILTIN 61A) "قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرانے کا فرض بخشش وخیرات کے دیگر اعمال سے افضل ہے" (BABABATHRA 8B) "خیرات دیتے وقت خیرات پانے والے کی خودداری کا بھی لحاظ رکھا جائے" (SHABBATH 63A) "ترش روئی سے غریبوں کو فیاضی سے دینا ثواب عمل کو ضائع کر دیتا ہے"[2] (BABABATHRA 9B)

"انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس"[3] میں ہے کہ "تلمودی دور میں غرباء کی امداد کا اعلیٰ نظم

---

[1] صحیح بخاری [2] قرآن شریف میں ہے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى" (اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو) (سورۂ بقرہ-۲۶۴)

[3] ملاحظہ ہو (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL.III BY MORRIS JOSEPH)

موجود تھا، اس کی خصوصیات روزانہ کھانے کی تقسیم اور ہفتہ وار نقدی تقسیم تھی، دونوں کاموں کے لئے ایسے ہی دو تین ایماندار آدمی جن پر کسی کو شک نہ ہو جماعت سے لازمی چندہ لیا کرتے تھے اور اس کا اہتمام تین اور افراد کے ہاتھ میں ہوتا تھا جو کہ سائلین کے استحقاق کی جانچ کرتے تھے" (BABABATHRA 8A) ان کا فرض تھا کہ غریبوں اور مسکینوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں" (KETHUBOTH 6 B) یہ دونوں تقسیمیں بہت بعد تک قائم رہیں۔ (MAIMLOCLIT 9:3)

__________ دور وسطی میں دیندار یہودی اپنی شریعت کے مقرر کئے ہوئے عشر (ایتیا) کے ساتھ پابند رہتے تھے، دور وسطی کے یہودی معاشرہ میں بھیک مانگنے کی رسم بہت ہی شاذ تھی لیکن تیرہویں صدی میں یہ رسم بے حد بڑھی اور ناقابل برداشت برائی بن گئی پیشہ ور بھکاری (SEHNORRER) ہر یہودی جماعت میں عام ہو گئے اور نہایت نفرت انگیز اور تکلیف دہ معلوم ہونے لگے ایسے پیشہ ور بھکاریوں کی گستاخانہ خیرات طلبی کی ایک لازوال تصویر (ZANGWILL) کی کتاب (KING OF SINGWET) "سائلوں کا بادشاہ" میں ملتی ہے لیکن دور حاضر کے مہذب ممالک کے یہودیوں کی خیراتی تنظیم نے پیشہ ور بھکاریوں کے پیشہ کو قریب قریب فنا کر دیا۔

اسلامی تعلیمات سے اس جزئی مماثلت کے باوجود جس کے کچھ نمونے ہم نے اوپر پیش کئے ہیں، اسلام کے نظام زکوٰۃ وصدقات سے ایک بڑا فرق یہ ملتا ہے کہ یہودیوں میں بھی صدقات قبول کرنے اور اس کا انتظام کرنے والا ایک مذہبی گروہ پایا جاتا ہے جس کی بنیاد خاص نسل و نسب اور آباء سے انتساب پر ہے اور یہ منصب موروثی اور نسلی ہے یہودی مصنف (G. F. MOORE) اپنی کتاب (JUDAISM) میں لکھتا ہے۔

"اس تنظیم (مذہبی امور کے لئے ٹیکس کی وصولیابی) کا بنیادی اصول یہود کے بنیادی قانون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زندگی پیداوار کا عشر قوم لاوی (لاویین) کو دیا جائے اور اس کا عشر دینی پیشواؤں کو دے۔"

اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا جو ایسے مستقل اور موروثی طبقوں اور گروہوں کے پیدا ہو جانے پر نکلا کرتا ہے یعنی حد سے بڑھی ہوئی حرص، استحصال بالجبر، اور دوسروں کی حق تلفی (G.F. MOORE) جی ایف مور لکھتا ہے:-

"سنہ ۶۶ (یہودی) کی بغاوت سے پہلے بڑے بڑے اونچے یہودی علماء طاقتور آدمیوں کی جماعت بھیج کر عشر کو خرمن ہی سے زبردستی وصول کر لیتے تھے، اور ان چھوٹے مذہبی پیشواؤں کو جو خاص طور پر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، زدوکوب کرتے تھے"[1]

اس مذہبی فرض کی ادائیگی میں یہودیوں کی مستعدی اور سرگرمی اور احساس ذمہ داری کا کیا حال تھا، اور کہاں تک اس مذہبی فریضہ پر یہودیوں کے مختلف ادوار حیات میں عمل درآمد ہوتا رہا، اس کا اندازہ مذکورہ بالا مصنف کی اسی کتاب کے ایک اقتباس سے ہوگا:-

"غالباً عشر کی ادائیگی اس مذہبی ٹیکس کے ادا کرنے والے کے ضمیر پر چھوڑ دی گئی ہے، تجربہ بتلاتا ہے کہ ٹیکس دہندہ پر ادائیگی کے فرض کا اعتماد بہت ہی ناقابلِ اطمینان رہا ہے، یوڈیا (JUDEA) کے اس چھوٹے سے علاقہ میں بھی جو کہ ایران کی حکومت میں تھا، ٹیکس کی ادائیگی کا یہ خود ارادی طریقہ ناکام رہا، اس لئے (NEH 10-33 FF) کے ضابطہ سے یہ انتظام کیا گیا کہ زراعت پیشہ جماعتوں سے عشر وصول کرنے کے لئے لاوی قوم کے لوگ کسی مذہبی پیشوا کو لے کر جائیں (NEH 7-98) یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوئی، کیونکہ (NEH 13-10) میں لکھا ہے کہ عشر ادا نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے قوم لاوی کو معبد چھوڑ کر علیحدہ جانا پڑا تاکہ وہ اپنی زمین جوت کر روزی حاصل کر سکیں (MAL 3-8 F)"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے:-

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کسان کو مذہبی واجبات کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بہت ہی ناقابلِ اعتماد سمجھا گیا ہے، اس سلسلہ میں بہت ہی دیندار کسان بھی قوانین مذہب کے مقابلہ میں اپنے

---

[1] JOS. ANT. XX 88-181 9, 2-206 F.

آباؤ واجداد کے عمل کو زیادہ قابل قبول گردانتے تھے' ان کے نزدیک پرانی روایت مدارس کے فتوے' اور قانون کی تشریحات سے کہیں زیادہ وزنی سمجھی جاتی تھی"

آگے چل کر لکھتا ہے :-

"مذہبی رہنماؤں کو اس عام غفلت سے سخت فکر و پریشانی رونما ہوئی لیکن مذہبی قوانین پر عمل کرانے کی جملہ مساعی کم و بیش ناکام ہی رہیں' اس سلسلہ میں معمولاً افراد کی غفلت و لاپرواہی انفرادی ہی نہ تھی جس کا وہ خود خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا' خدا کے حصہ کی یہ لوٹ ایک قومی جرم بن چکی تھی' جس کی سزا کل قوم کو بھگتنا پڑی' اللہ کی مہربانی اور برکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے قوم کو مکمل طور پر اپنے عمل میں اصلاح کرنا تھی (MAL. 3, 8-12. MIDRASH TEBELHORON ISLAM 5 1-3) اسی عشر (مذہبی ٹیکس) سے غفلت یہود کی جلا وطنی کا ایک سبب بنی"

مزید یہ کہ :-

"اس میں شک نہیں کہ مذہبی پیشواؤں نے پر زور نصیحت اور ہدایات کے ذریعہ اپنی قوم کو بتلایا کہ خدا کو دھوکا دینا' اور عشر ادا نہ کرنا کس قدر بڑا گناہ ہے' لیکن ان کو اس اصلاح میں کامیابی نہ ہو سکی"[1]

یہودی علماء اور مورخین کی ان شہادتوں کو سامنے رکھ کر نیز اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ایک دولتمند' اور سرمایہ دار قوم رہی ہے' جس نے عام طور پر ساہوکارہ' سودی لین دین' اور دولت آفرینی کے دوسرے ذرائع سے بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے' اور عام طور پر وہ اپنی ہنرمندی' صناعی' اور کاروباری صلاحیت میں ممتاز رہی ہے' قرآن مجید کی ان آیات پر غور کرنا چاہیے' جن میں ان کے بخل' خست' مالی حقوق کی ادائیگی میں ان کے لیت و لعل' سخن پروری و حیلہ سازی اور ایسے مطالبوں کے موقعوں پر ان کے گستاخانہ کلمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

[1] JUDAISM VOL. II – G. F. MOORE (PROF. HISTORY OF RELIGION) HARVARD UNIVERSITY U.S.A.

ایک موقعہ پر فرمایا گیا ہے:۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ	بیشک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جنھوں نے
اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ	کہا ہے کہ اللہ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں، ہم ضرور
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ	ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے اور اس کے ناحق
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ[1]	قتل انبیاء کو بھی اور کہیں گے کہ (اب) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔

ایسی ہی اجتماعی ضرورتوں اور ایثار و فیاضی کے مطالبہ کے موقعہ پر انھوں نے جھنجھلا کر یہ گستاخانہ کلمات بھی کہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اپنے بندوں کی کاربرآری کرنے میں کوئی مجبوری پیش آرہی ہے (اور معاذ اللہ کسی نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں) اس لئے مخلوق سے مدد لینے کی ضرورت پیش آگئی:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ	اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بند ہو گیا، ہاتھ ان ہی
اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ	کے بند ہوں اپنے اس کہنے سے یہ ملعون ہو گئے، اللہ
مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ	کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح
(سورۂ مائدہ۔۶۴)	چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجاز کے یہود نے جو ملک کی دولت کے سب سے بڑے حصہ پر قابض اور تجارت پر حاوی تھے، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور صدقہ و خیرات کے کاموں میں ہمیشہ کوتاہی سے کام لیا، قرآن مجید کہتا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے
اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى	عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے اور

[1] سورۂ آل عمران۔۱۸۱۔ کتب تفسیر میں ہے کہ جب آیت "مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" نازل ہوئی تو یہودیوں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا رب محتاج ہو گیا ہے اس لئے صدقہ، خیرات اور قرض مانگتا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

وَالْيَتَامٰی وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (سورۂ بقرہ - ۸۳)

حسن سلوک سے پیش آنا (اپنے) ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے اور تم ہی ہو گردن کش۔

صدقہ و خیرات عیسائی مذہب میں

چونکہ حضرت مسیحؑ اپنے پیروؤں کے لئے کوئی مستقل اور مفصل قانون اور شریعت موسویہ کے متوازی کوئی شریعت لے کر نہیں آئے ان کا کام چند ترمیمات اور اصلاحات تک محدود تھا[1] اور ان کی اصل تبلیغ و دعوت یہودیوں کی حد سے بڑھی ہوئی ظاہر داری اور رسم پرستی کے مقابلہ میں عبودیت و اخلاص کی سچی روح، محبت الٰہی اور انسان دوستی کا زندہ جذبہ اور ظواہر و اشکال میں حقیقت کا جلوہ پیدا کرنا تھا اس لئے دوسرے ارکان مذہب اور زندگی کے شعبوں کی طرح خیرات و صدقات کے لئے بھی انھوں نے کوئی مستقل قانون و نظام پیش نہیں کیا، جو یہودی شریعت اور تورات کے احکام کے بالمقابل مستقل ضوابط اور قوانین پر مشتمل ہو، انھوں نے اسی سابقہ نظام میں صرف حقیقت و روح، خلوص و صداقت، محبت الٰہی

---

[1] قرآن شریف میں حضرت عیسیٰؑ کے بیان میں آتا ہے :-

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ (سورۂ عمران - ۵۰)

اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر کچھ جو حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشانی لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

واخوت انسانی کا احساس زندہ کرنے کی کوشش کی یہی وجہ ہے کہ ہمیں عیسائیت کے مذہبی لٹریچر اور "کلیسا" کی رہنمائی اور ہدایات میں خیرات وصدقات کا کوئی مفصل اور واضح ضابطہ اور کوئی منضبط اور مرتب قانون نہیں ملتا، جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی حیثیت محض اخلاقی ہدایات اور پند ونصائح کی ہے۔

انجیل (عہد جدید) میں خیرات کا کیا درجہ ہے اس کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کی بنیادی تعلیمات، ہدایات اور ذاتی جذبات کیا تھے، یہ تصور بعد کے کلیسائی عہد میں کس درجہ قائم رہا، اور اس پر مسیحی دنیا میں کہاں تک عمل درآمد کیا گیا؟ مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کے مسیحی مقالہ نگار نے اس کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

"حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پہاڑی کے وعظ میں اور دوسرے موقعوں پر خیرات دہی کے فریضہ کو اتنے ہی عزم وخلوص سے بیان کیا ہے، جیسا کہ علمائے یہود کیا کرتے تھے، ان کے پیرووں کے لئے بھی خیرات دینا ضروری ہے لیکن ان کی خیرات خلوص قلب سے محض کار خیر کے ارادہ سے ہونا چاہئے (ہر عیسائی اپنی ذات کو اتنا ہی کامل کرنا چاہتا ہے جتنا کہ "ان کا باپ" جو کہ آسمان پر ہے کامل تھا) اس کی نیت میں خودنمائی ستائش طلبی یا ذاتی فروغ کا شائبہ مطلق نہیں ہونا چاہئے (MT. 64 FF.) ایسے ہی اس وعظ میں جو لوقا کی انجیل میں درج ہے، خیرات کے احکام زیادہ واضح ہیں۔

"دو اور تم کو دیا جائے گا، جو تم سے سوال کرے اس کو دو، اور جو تمہارا اسباب لے جائے اس سے واپس نہ مانگو، اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو، ان کو قرض دو، اور نا امید نہ کرو، تمہارا انعام بہت بڑا ہوگا، اور تم اس ارفع واعلیٰ ذات کے فرزند بن جاؤ گے، کیونکہ وہ ناشکر گزار اور بدآئین کے ساتھ بھی مہربانی کرتا ہے (LUKE 6. 30-36)

حضرت عیسیٰؑ نے جس کی تعلیم دی اس پر عامل بھی ہوئے (بلکہ اس سے زائد کر دکھایا) انھوں نے اپنی نبوت کا بہت سا وقت لوگوں کی تکالیف کے دور کرنے میں صرف کیا، عوام کی خدمت کی اور جن کو شیطان نے ستا رکھا تھا ان کو اچھا کیا، کیونکہ اللہ ان کے ساتھ تھا (AC 10-38)

تاہم ہم کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ ایک کمزور یہی خواہ انسانیت تھے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ انسان کو پہلے "خدا کی سلطنت" اور راست روی کا خواہاں ہونا چاہئے اور دوسری چیزیں (یعنی دوسری صفات حمیدہ) اپنے آپ شامل ہوتی جائیں گی، دوسروں کی امداد کرتے وقت (حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ) ان کی روحوں کی حفاظت کا خیال ان کے جسم کی حفاظت سے بالاتر ہونا چاہیئے، وہ خود بھی لوگوں کا علاج کرتے ہوئے یا ان کو مدد دیتے ہوئے ان کی فوری امداد کے مقابلہ میں ان کی دائمی ترقی (روح) کا زیادہ خیال رکھتے تھے ایک دوسری بات بھی ہے جس کو ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے آقا (حضرت عیسیٰ) نے امداد باہمی کی بنیاد اس تعلق کو گردانا ہے جو کہ تمام انسان اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے ہیں یہی تعلق ان کو بھائی بھائی بنا دیتا ہے، اور اس طرح چونکہ سب انسان اصلاً ایک ہی گروہ کے افراد ہیں اس لئے سب کا فرض ہے کہ (ایک ہی اللہ کے بندے کی بنیاد پر) ایک دوسرے کی مدد کریں۔

سینٹ پال نے فرمایا ہے کہ تم آقائے (نامدار) کی طرح ایک دوسرے کے بوجھ اٹھاؤ، اور اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے قانون پر عامل رہو (GAL. 62) لیکن یہ امر بالکل بین ہے کہ جہاں تک فیاضی اور خیرات ہی کا تعلق ان اعلیٰ مقاصد اور خلوص نیت سے ہے، وہاں خود نمائی اور فخر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم اور ان کی ذاتی مثال نے ان کے سب سے پہلے پیروؤں اور شاگردوں کو کہاں تک متاثر کیا، یوم (PENTA COST) کو روح کے باہر نکال لانے کے فوری نتیجہ کے طور پر ایک ایسا اشتراکی نظام رونما ہوا جو کہ لوگوں نے اپنی مرضی سے قائم کر لیا اور جس میں کہ جماعت کے مالدار افراد نے اپنا کل (یا قریب قریب کل) مال اپنے غریب پڑوسیوں کی ضرورت کی فراہمی میں صرف کر دیا، (AC 2. 44-45) ہر ایک نے تو اپنا کل مال فروخت نہیں کیا، جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ تھا وہ تو اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے لیکن جن کے پاس ضرورت سے زائد تھا انھوں نے اس کو فروخت کر کے [illegible]

خیرات ظاہر ہے کہ زیادہ دنوں قائم نہیں رہ سکتی تھی (ANANIA) اور (SAPHIRA) کی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبہ (خدمت) جو کہ ہونا چاہئے تھا، اکثر مصنوعی ہوتا تھا، اور شاید وہ تمام خرابیاں جو کہ سست اور ناکارہ لوگوں کی امداد کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں، کلیسائے یروشلم میں بھی نمودار ہو گئیں، اور سینٹ پال کی تہدید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خرابیاں دوسرے کلیساؤں میں بھی پیدا ہو گئی تھیں،

(2 TH. 3. 10FF)

اگرچہ ابتدائی دور کی خیرات اس شاندار طور پر اس وقت قائم نہ رہ سکی، جبکہ پہلا جوش و خروش ختم ہو گیا، تاہم خیرات دہی قائم رہی اور وہ تمام عیسائی گرجاؤں کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت بنی رہی، بلکہ کلیسا کی خصوصیت رہی، جبکہ نئے عیسائی بھائیوں نے سینٹ پال کو اپنا دست راست برائے یگانگت پیش کیا، تو یہ بات خاص طور پر طے ہوئی کہ غریبوں کا لحاظ رکھا جائے گا (خواہ وہ غیر عیسائی ہی کیوں نہ ہوں) یہ اصول وہ تھا جو کہ سینٹ پال خود بھی قائم رکھنا چاہتے تھے (GAL. 210) اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس طور سے یہودیوں اور دوسرے غیر عیسائیوں کے الگ الگ گرجاؤں کو ایک ساتھ لے آنے کے لئے سینٹ پال نے مقدونیہ اور (ACHAI) کے گرجاؤں کو بڑی احتیاط سے منظم کیا، اور خیرات کے چندوں کو جمع کیا گیا، اور اس یکجائی فنڈ کو یروشلم کے مذہبی نظام کے پاس پہونچانے کی خدمت خود سینٹ پال نے سنبھالی، اگرچہ اس کام میں دوسرے گرجاؤں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ (2CO. 8-9)

ہفتہ وار چندہ کا حکم جو کہ انھوں نے اس موقعہ پر نافذ فرمایا تھا، غالباً ہفتہ وار چندے کی اس رسم کی بنیاد بن گیا جو کہ مختلف گرجاؤں میں عموماً قائم رہی اور ہمارے زمانہ میں بھی اکثر گرجاؤں میں قائم ہے۔

خیرات دہی اور غریبوں پر رحم کرنے پر دوسرے عیسائی برگزیدہ رہبروں نے سینٹ پال

سے کچھ کم زور نہیں دیا ہے سینٹ جیمس نے پر زور الفاظ میں اس ظلم و تعدی کو برا کہا ہے جو کہ زردار لوگ غریبوں پر کرتے رہتے ہیں (JA 51-6-26) لیکن مذہبی خدمات کے قانون کو انھوں نے اس طرح اجمالی شکل دی ہے۔

اصلی مذہب جس پر خدا اور باپ کی نظر میں کوئی دھبہ نہیں، وہ یہ ہے۔

"یتیموں اور بیواؤں کے پاس جانا (ہمدردی کرنا) اور ان کے رنج و غم میں شریک ہونا اور اپنی ذات کو (فخر و مباہات) سے پاک رکھنا۔ (1-27)

مکتوب بنام یہود کے مصنف نے اپنے مخاطبین کو مکتوب کے ختم کرتے ہوئے ایک عملی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے:۔

"نیکی کرنا، اور تقسیم (خیرات) کو فراموش نہ کرو، کیونکہ انھیں قربانیوں سے خدا بہت خوش ہوتا ہے"۔

سینٹ جان نے اس فرض (خیرات دہی) کو انتہائی روشن اور نمایاں طریقہ پر پیش کیا ہے، انھوں نے انسانی خدمت کو جذبۂ حب اللہ سے پیدا ہوتا ہوا بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"جس کے پاس دنیا بھر کا سامان موجود ہے لیکن وہ اپنے بھائی کو ضرورت مند دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ رحم کرنے سے گریز کرتا ہے تو اللہ کی محبت اس میں کیسے قائم رہ سکتی ہے"۔

اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم میں، اور ان کے اولین پیرووں کی تعلیم میں خیرات دہی اور غرباء کی امداد کو عیسائی زندگی کا بنیادی فرض سمجھا گیا ہے اور اس فرض کا فوری تعلق اس رشتہ سے ہے، جو کہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے واسطہ سے خدا کے ساتھ رکھتے ہیں اور اس رشتہ کے تسلیم کر لینے کا فوری نتیجہ ہی (خیرات دہی اور نیکی) ہے[1]۔

ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS, W. A. SPOONER. [1]

اسلام کی اصلاحات

اسلام نے زکوٰۃ وصدقات کے نظام میں بہت سی ایسی بنیادی تبدیلیاں کیں جن کا معاشرہ کے اخلاقی نظام پر بہت گہرا دیرپا، اور انقلاب آفریں اثر پڑا ہم ان میں سے خاص خاص اصلاحات اور تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مذہبی اور طبقاتی اجارہ داری کا خاتمہ

اس نے سب سے پہلے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا جس سے ایک طرف خود اس اجارہ دار طبقہ کو نقصان پہونچ رہا تھا، اس کے اخلاق خراب ہو رہے تھے، اور وہ ایسا آرام پسند اور عافیت کوش طبقہ بن گیا تھا جس کی صرف صدقات پر بسر اوقات تھی، اور جو مفت کے مال کا (جو اس کو بلا محنت کے ہاتھ لگ جاتا ہے) عادی ہو گیا تھا، اور اس کے لئے شریفانہ اور قدرتی ذرائع معاش اختیار کرنے اور اپنے دست و بازو کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی، اس کے رزق کی ضمانت وکفالت کی بنیاد صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ فلاں نبی کی اولاد میں ہے، فلاں گھرانہ اور فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا موروثی طور پر فلاں مذہبی عہدہ پر فائز ہے خواہ وہ اس سلسلہ میں اپنی کوئی ذمہ داری پوری نہ کرتا ہو، جس کی وجہ سے ایک ایسا پیشہ ور طبقہ وجود میں آ گیا جو دین کا اجارہ دار بن کر اس کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا اور ہر قسم کی اخلاقی بلندی، مردانگی، عزتِ نفس اور خودداری سے محروم تھا۔

دوسری طرف اس سے ان فقراء و مساکین اور مستحقین زکوٰۃ کو بھی سخت نقصان پہونچ رہا تھا جن کے حقوق پامال ہو رہے تھے، اس لئے کہ ہر صدقہ کرنے والا قدرتی طور پر یہ چاہتا تھا کہ اس کا صدقہ اس شخص کو پہونچے جو کسی دینی منصب پر فائز ہو، اپنی رگوں میں انبیاء کا خون رکھتا ہو اور کسی شریف و اعلیٰ خاندان سے متعلق ہو، ہندوستان میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں تھی، یہاں برہمن مندروں کے پروہت اور پنڈت ان صدقات پر پوری طرح قابض تھے، اور ان مقامات مقدس جگہوں [illegible] میں کوئی حصہ نہ تھا، جو مقدس برہمنی خون نہ رکھتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے

اتنا بھی میسر نہ تھا، جس سے ان کی زندگی قائم رہتی، وہ دولت مندوں کی بے پرواہی، برہمنوں اور پنڈتوں کی تعیش پسندی اور اس مخصوص مذہبی قانون کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے تھے جس کی ذمہ داری آرین نسل پر سب سے زیادہ ہے۔

اس کے برعکس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری اور اجتماعی ناانصافی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، آپ نے بنی ہاشم پر جو خود آپ ہی کا خاندان ہے، اور اسلامی تاریخ اور دینی جد وجہد کے میدان میں بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے، زکوٰۃ حرام کر دی اور بڑی قوت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ ان الصدقۃ لا تحل لنا[1]۔ (صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے) آپ صدقات سے پورا پرہیز اور احتیاط فرماتے تھے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کے متعلق دریافت فرماتے، اگر یہ کہا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو کھاتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو اس کو نہ کھاتے اور اپنے اصحاب سے فرماتے کہ تم کھاؤ[2] آپ اپنے گھر والوں کو صدقہ وزکوٰۃ کا مال کھانے سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے تاکہ ان کو اس کی عادت نہ پڑ جائے اور مسلمان صدقہ کے لئے اسی خاندان کو مخصوص کر لیں اور دوسرے اس سے محروم ہو جائیں، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ نے صدقہ کا ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تھوکو، اس کو پھینک دو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے؟[3]

یہ حکم آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح نافذ رہا، آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے اور یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں"[4]

فقہ اسلامی میں یہ حکم برابر قائم رہا، اسلامی معاشرہ میں اس پر برابر عمل درآمد کیا جاتا رہا اور زکوٰۃ اور صدقہ کا دروازہ عامۃ المسلمین اور فقراء و مستحقین کے لئے ہمیشہ کھلا رہا اور ان کے حقوق پوری طرح محفوظ رہے[5]۔

اپنے خاندان اور اقرباء کے ساتھ آپ کا ہمیشہ یہی معاملہ اور طرز عمل تھا، وہ نقصان اور تاوان میں پیش پیش

---

[1] اصحاب سنن عن ابی رافع عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم [2] شیخین [3] ایضاً [4] مسلم روایت حضرت ابوہریرہؓ

[5] اس بحث کی تفصیل کے لئے جصاص نیز قاضی ابن العربی مالکی کی کتاب "احکام القرآن" کا مطالعہ کیا جائے۔

رکھے جاتے اور انعامات اور مالی فوائد میں ان کو کم سے کم حصہ دیا جاتا، جب سود حرام کیا گیا تو آپؐ نے سب سے پہلے اس قانون کو اپنے رشتہ داروں پر نافذ کیا، جب جاہلیت کا خون حرام کیا گیا تو آپؐ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے ایک نوجوان کا خون معاف کیا، حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا:۔

ألا کل شئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی	یاد رکھو کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پیروں کے نیچے ہے
موضوع، ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان	میں جاہلیت کا خون ختم کرتا ہوں اور پہلا خون جو میں
اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن	معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث کا خون ہے
الحارث وکان مسترضعا فی بنی سعد	جن کو قبیلہ بنی سعد میں دودھ پینے کے لئے بھیجا گیا تھا[1]
فقتلتہ ھذیل، وربا الجاھلیۃ موضوع،	اور ہذیل نے ان کو قتل کر دیا تھا، جاہلیت کا سود بھی
وان اول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن	میں ختم کرتا ہوں اور پہلا سود جو میں معاف کرتا ہوں
عبد المطلب فانہ موضوع کلہ۔ الخ	وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے اب وہ سب ختم ہے۔

اسی طرح جب زکوٰۃ فرض کی گئی تو اس کے باوجود کہ وہ رزق و آسائش کا ایک بڑا ذریعہ اور دروازہ تھا، آپؐ نے اس کو بنی ہاشم اپنے اہل بیت اور اپنے پورے خاندان پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، یہ درحقیقت تمام انبیاءؑ و مرسلین کا طرز اور نبوت و رسالت کا خاصہ ہے اور اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود حاصل ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں

آپؐ نے زکوٰۃ دینے والوں اور لینے والوں کے بیچ سے وہ سارے واسطے ختم کر دیئے، جو شریعت موسوی میں پائے جاتے تھے یعنی موروثی عالم یا بیت المقدس کے کارکن جن کا ذریعہ اختیار کئے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن نہ تھا، اس چیز نے اس طبقہ میں مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور حرص و طمع پیدا کر دی اس نے

---

[1] عرب میں دستور تھا کہ باہر رہنے والے قبائل کی عورتیں شرفاء کے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لے جاتی تھیں ۔ ۲؎ روایت جابر بن عبد اللہ (صحیح مسلم)

اکثر و بیشتر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور بالآخر اس پر قابض ہوگیا، قرآن مجید کہتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ	اے ایمان والو اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں
وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ	اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں اور جو
يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا	لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انھیں
(سورۂ توبہ۔ ۳۴)	ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسری عبادات اور دینی فرائض سے ان واسطوں کو ختم فرمادیا تھا اسی طرح زکوٰۃ و صدقہ کے لئے بھی اس نے کسی وساطت اور ذریعہ کو باقی نہیں رکھا، مسلمان خود اپنے طور پر نماز پڑھ سکتا ہے، زکوٰۃ نکال سکتا ہے، روزے رکھ سکتا ہے اور حج کر سکتا ہے اس کے لئے اس کو صرف ان احکام سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، جن کے بغیر یہ ارکان ادا نہیں ہو سکتے، اگر نیت کی تصحیح ہوگئی ہو اور شرائط پورے کرلئے گئے ہوں تو پھر ایک مسلمان کو ان فرائض کی بجاآوری کے لئے کسی سہارے اور واسطہ اور کسی رسمی مذہبی طبقہ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

مستحقین زکوٰۃ کے حقوق میں اضافہ

ان چیزوں کے ساتھ ایک خصوصیت زکوٰۃ کو اور حاصل ہے، اور وہ یہ کہ زکوٰۃ پر پہلے (جیسا کہ ہم ایک جگہ بیان کر چکے ہیں) مختلف قسم کی پابندیاں تھیں، زکوٰۃ لینے والوں کو اس کا اختیار نہ تھا کہ اس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں اس کا ایک حصہ بیت المقدس کے حجاج کے لئے مخصوص تھا جو زیادہ تر ان کی ضیافت اور کھانے کے مصارف پر خرچ ہو جاتا تھا، شریعت اسلامی نے فقراء و مساکین اور زکوٰۃ کے مستحقین کو اس مال کا مالک

بنادیا اور ان کو اس کا حق دیا کہ وہ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں" للفقراء والمساکین والعاملین علیہا"[1] میں لام اس پر دال ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورت و مصلحت کے لئے پوری آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

ان خوشگوار اور مفید اصلاحات نے زکوٰۃ کے اسلامی نظام کو ایک نہایت لطیف، ترقی یافتہ، جامع اور مکمل عبادتی اور اجتماعی نظام بنا دیا ہے، جو تمام انفرادی و اجتماعی مصالح پر حاوی ہے[2]۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور شرعی حیثیت

قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مقامات پر آیا ہے[3] چنانچہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اس کے علاوہ مسلمانوں کے اوصاف جہاں جہاں بیان کئے گئے ہیں، وہاں بھی ہمیشہ "یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ"[4] آیا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو[5]۔ ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ "انھوں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ میں اللہ کی قسم دلا کر آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ حاصل کریں، اور فقراء میں تقسیم کر دیں آپ نے

---

[1] اس "لام" کی بحث کے لئے احکام القرآن مذاہب اربعہ کی اصول فقہ کی کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ [2] اس بحث میں سیرۃ النبیؐ (از مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ) جلد پنجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ [3] مظاہر حق ترجمۂ مشکوٰۃ از نواب قطب الدین خاں دہلوی (۱۲۸۹ھ) [4] سورۂ مائدہ۔ ۵۵ [5] شیخین روایت ابوہریرہؓ۔

فرمایا "ہاں بالکل"

اس موضوع پر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے وہ حد تواتر تک کو پہونچ چکی ہیں، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ نماز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور صدیوں اور نسلوں سے برابر اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی صحت و قبولیت، اس کے احکام کی بجاآوری، اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت کی علامت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ	پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ
فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝	دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بڑا
(سورۂ توبہ - ۵)	مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ	لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور
فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ	زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں،
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۝ (سورۂ توبہ - ۱۱)	اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنے خون اور اپنے مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیتے ہیں، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے"۔

بخاری و مسلم اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے اوپر ایمان لائیں اور جو میں لایا ہوں اس کو قبول کریں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں، مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔"

زکوٰۃ نظام کے ساتھ ضروری ہے

جس طرح نماز کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اسی طرح زکوٰۃ کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ پہلے بیت المال میں جمع کی جائے اور ان خلفاء و امراء[1] کے سپرد کی جائے جو اس کے منتظم و ذمہ دار ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا موقف

زکوٰۃ کی یہ وہ حیثیت تھی جس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین اور امین اور اس دین کے اسرار و مقاصد کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اور اس کے لئے سب سے

---

[1] مسلمان خلافت و امارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلف ہیں اور اس میں کوتاہی اور سہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث و فقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کے صحیح فہم کا بھی یہی تقاضا ہے اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "ازالۃ الخفا" اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "منصب امامت" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، پہلے کے مسلمان اس بات کے روادار نہیں تھے اور اس کو بہت بڑی بات سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی مختصر وقفہ بغیر خلافت و امارت کے گزر جائے چنانچہ مسلمان مورخین جب کسی نئے سال کے آغاز کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں کہ "نیا سال شروع ہوگیا اور مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں" اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے جو بغیر خلافت و امارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس و شعور اور فکر کے گزر رہی ہے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے؟

زیادہ غیرت وحمیت رکھنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے انھوں نے اس پر سنجیدگی اور قوت کے ساتھ اصرار کیا کہ "جو بیت المال کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے اس سے قتال کیا جائے"۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان جو اختلاف تھا اور جو بعد میں اتفاق سے تبدیل ہوگیا، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے تبدیل کی اور حضرت ابوبکرؓ کی بالغ نظری، دقّتِ فہم اور اس معاملہ میں ان کی غیرت وحمیت کا اقرار کیا ——— ہم وہ روایت یہاں نقل کررہے ہیں[۱]۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور اس وقت عرب میں بہت سے لوگ مرتد ہونے لگے اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ آپؐ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" نہ کہہ دیں، اگر وہ کہہ دیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالٰے کے ذمہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور جنگ کروں گا اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم اگر وہ ایک بکری کا بچہ[۲] جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے اب دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے اس بات پر ضرور قتال کروں گا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالٰے نے قتال پر پورا شرح صدر عطا فرمایا، اس سے میں سمجھا کہ یہی بات حق ہے"۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟

علامہ خطابی نے اہلِ ارتداد اور اہلِ بغاوت کی تمام قسموں، ان کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی حقیقت،

---

[۱] ابن ماجہ کے سوا یہ حدیث تمام کتب صحاح میں موجود ہے [۲] مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں "عناقاً" کے بجائے "عقالاً" آیا ہے یعنی ایک رسی۔

نیز حضرت ابوبکرؓ نے ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اس سے اس وقت کے خاص حالات اور فہم صحابہ میں اختلاف کے اسباب روشنی میں آجاتے ہیں، اختصار و تلخیص کے ساتھ اس بحث کو یہاں نقل کیا جارہا ہے:۔

"اہل ارتداد کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم وہ تھی جو دین سے مرتد ہوگئی تھی اور ملت سے کنارہ کش ہو کر کفر کی طرف مائل ہوگئی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے یہ قسم دو طبقوں پر مشتمل تھی، ایک طبقہ وہ تھا جس نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ مدعیان نبوت کی تصدیق اور پیروی کی تھی، یہ پورا فرقہ نبوت محمدی کا منکر تھا، ان سب سے حضرت ابوبکرؓ نے جہاد کیا، چنانچہ مسیلمہ یمامہ میں مارا گیا اور عنسی صنعاء میں قتل کیا گیا، ان کی اکثریت مقتول ہوگئی اور باقی منتشر ہوگئے، دوسری جماعت جو دین سے مرتد ہوگئی ان کی نوعیت یہ تھی کہ انھوں نے احکام شریعت کا انکار کیا، نماز اور زکوٰۃ چھوڑ دی اور جاہلیت کی زندگی پھر سے اختیار کر لی، اس وقت تین مسجدیں ایسی باقی رہ گئیں جہاں صرف اللہ کے لئے سجدہ ہو رہا تھا، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد عبدالقیس۔

(مندرجہ بالا طبقوں کے مقابلہ میں) ایک دوسری قسم وہ تھی جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی انھوں نے زکوٰۃ کے وجوب سے نیز امام کے پاس ادائیگی کے وجوب سے انکار کیا، یہ لوگ درحقیقت باغی تھے لیکن اس زمانہ میں ان کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس لئے کہ وہ بھی اہل ارتداد کے ساتھ اس معاملہ میں شریک تھے، اور ارتداد کا مسئلہ سب سے اہم اور مقدم تھا، چنانچہ سب کے لئے "اہل الردۃ" کا لفظ استعمال ہونے لگا، باغیوں سے قتال کا مفہوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ سے رائج ہوا، اس لئے کہ اس وقت وہ منفرد اور مستقل بالذات تھے، اور اہل شرک کے ساتھ ان کا اختلاط نہیں تھا۔

ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ کچھ لوگ وہ بھی تھے، جو زکوٰۃ کے قائل تھے لیکن ان کے سرداروں اور چودھریوں نے ان کو ادائیگی زکوٰۃ سے باز رکھا، مثلاً بنی یربوع کے قبیلہ والے انھوں نے زکوٰۃ جمع بھی

کر لی اور اس کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجنے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن مالک بن نویرہ نے ان کو اس سے روک دیا اور یہ زکوٰۃ انہی کے قبیلہ میں تقسیم کروائی، یہی وہ لوگ تھے جن کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ کو شبہہ ہوا کہ آیا ان سے قتال جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مراجعت کی اور اس مسئلہ پر بحث کی اور اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا (امرت ان اقاتل الناس الخ) لیکن حضرت عمرؓ کی یہ رائے ظاہر قول پر مبنی تھی انھوں نے اس کے شرائط پر غور نہیں کیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، ان کی مراد یہ تھی کہ مسئلہ خون اور مال دونوں کی ضمانت اور حفاظت کا تھا، جو اپنی شرائط کے ساتھ وابستہ ہے، یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے، دونوں شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے، یہاں (مانعین زکوٰۃ کے مسئلہ میں) ایک شرط (ادائے زکوٰۃ) مفقود ہے، اس لئے وہ حکم جاری نہیں ہوگا، اس کے علاوہ انھوں نے اس کو نماز پر قیاس کیا اور چونکہ تارک صلوٰۃ پر بالاجماع قتال واجب ہے اس حیثیت سے منکر زکوٰۃ پر بھی واجب ہونی چاہئے، اس طرح یہ مختلف فیہ مسئلہ متفق علیہ بن گیا، جب حضرت عمرؓ پر حضرت ابوبکرؓ کی صحت رائے بالکل عیاں ہوگئی تو انھوں نے اس قتال میں ان کی پوری پیروی کی، ان کے اس قول "فعرفت انہ الحق" (پھر میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے) کے معنی یہی ہیں، یعنی حضرت ابوبکرؓ کی اس دلیل پر جو انھوں نے نص و دلالت کے ساتھ[1] پیش کی ان کو شرح صدر حاصل ہوگیا۔

---

[1] راقم سطور کا خیال ہے کہ جو لوگ ملت چھوڑ بیٹھے کفر کی طرف جھک گئے، شرائع کے منکر ہوگئے، نماز وغیرہ چھوڑ دی اور جاہلیت کے قدیم حال پر واپس آگئے (اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو خطابی نے قسم اول میں شمار کیا ہے) اسی طرح وہ لوگ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرنے لگے تھے، اور وجوب زکوٰۃ کے منکر ہوگئے تھے (اور یہ لوگ جیسا کہ خطابی نے اوپر لکھا ہے صنف دوم سے تعلق رکھتے تھے) ان سب سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ مرتد ہیں اس لئے کہ وہ لوگ ضروریات دین کے کھلے طور پر منکر تھے، اسی لئے انھوں نے فرمایا (واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال) لیکن وہ لوگ جو امام کو زکوٰۃ دینے سے (باقی صفحہ ۱۹۰ پر)

حضرت ابوبکرؓ کا موقف اور اس کے اہم نتائج

امام کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی تحریک اسلام پر ایک کاری ضرب تھی، اور اس سے بغاوت و انتشار کا ایک بڑا دروازہ کھل رہا تھا، اگر حضرت ابوبکرؓ خدا نخواستہ اس میں رواداری برتتے اور اس کے سدباب میں غفلت اور سستی سے کام لیتے تو پھر یہ دروازہ کبھی بند نہ ہوتا اور اس کے بعد دوسرے دروازے بھی یکے بعد دیگرے کھلنے لگتے، زکوٰۃ کے بعد نماز کی باری آتی اور ایک جماعت یہ کہنے لگتی کہ جمعہ اور جماعت کی کیا ضرورت ہے، ہم تنہا اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، روزہ کی باری آتی تو یہ کہا جاتا کہ رمضان میں اوقات مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے، اصل یہ ہے کہ ایک مہینہ کے روزے پورے ہو جائیں خواہ جس ترتیب سے ہوں، حج میں بھی کتر بیونت کی جاتی اور اس کے متعین مناسک و اعمال اور اوقات معینہ میں ردوبدل ہونے لگتا، غرض کہ اس کے نتیجہ میں خلافتِ نبوت اور نظام امارت (جس کے ساتھ تمام حدود و احکام اور عزت اسلام وابستہ ہے) اشعار کے اس بحر کی طرح ہو جاتا جس کا نام تو "بحر" ہوتا ہے لیکن پانی کا کہیں وجود نہیں ہوتا، اسلام اور مسلمانوں کا شیرازہ اسی زمانہ میں اس طرح منتشر ہو جاتا جس طرح اس کے صدیوں بعد ہوا، اس لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کا موقف جس میں نرمی، سہل انگاری، مداہنت یا مفاہمت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا، دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں القا ہوا تھا، اور اس کے دین کی بقا اور اس کی پاکیزگی و پائیدگی اور اس کی حقیقت کی حفاظت میں اس کا سب سے بڑا اہم حصہ ہے، پوری امت اس پر متفق ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ اس طوفان ارتداد کے

(باقی ص۱۹۷ کا) منکر تھے یا اس پر قابض ہو کر خود اپنے قبیلہ میں اور اپنی مرضی سے اس کو تقسیم کر رہے تھے نیز وہ لوگ جو خود زکوٰۃ دینا چاہتے تھے لیکن اپنے سرداروں سے مجبور تھے، ان سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ باغی ہیں اور "اہل البغی" سے قتال قرآن مجید سے ثابت ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ" (سورۂ حجرات - ۹) واللہ اعلم بالصواب۔

مقابلہ کے لئے جو اسلام کی ایک ایک کڑی کو ختم کر دینے کے درپے تھا حضرت ابوبکرؓ نے وہ موقف اختیار کیا جو اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء کرام نے اختیار کیا تھا، یہ خلافت نبوت تھی جس کا حق حضرت ابوبکرؓ نے پوری طرح ادا کیا اور اس کی وجہ سے وہ قیامت تک آنے والے مسلمان نسلوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

نقد مال کی زکوٰۃ میں حضرتِ عثمانؓ کا موقف

حضرت ابوبکرؓ کے جہاد اور ان کی صلابت و استقامت کے نتیجہ میں یہ صورتِ حال ایک عرصہ تک باقی رہی اور ہر قسم کے مالوں کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جاتی رہی، جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے اموال باطنہ (نقد وغیرہ) کی زکوٰۃ مستحقین اور دوسرے مصارف زکوٰۃ پر بطور خود خرچ کرنے کی اجازت دی، صرف اموالِ ظاہرہ مثلاً مویشی، کاشت اور باغات کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے کا حکم برقرار رہا۔

امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں اس کی تفصیل و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"زکوٰۃ پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس جمع ہوتی تھی، پھر حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر تقریر کی اور کہا کہ یہ تمہارے زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو وہ اس کو ادا کرے پھر اپنے بقیہ مال کی زکوٰۃ نکالے انھوں نے مالکین نصاب کو خود اپنے طور پر دینے کی آزادی دے دی اور امام کا حق اس سے ساقط ہو گیا، اس کا فیصلہ بھی ائمہ عدل میں سے ایک امام نے کیا تھا اس لئے پوری امت پر اسی وقت نافذ ہو گیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے "ویعقد علیہم اولہم" [1]

---

[1] علامہ علاء الدین ابوبکر الکاسانی الحنفی (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ پوشیدہ مال (اموال باطنہ) جو شہر میں ہوتا ہے اس کے متعلق عام علماء کی رائے یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ لی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی زکوٰۃ لی، حضرت عثمانؓ نے بھی ایک مدت تک زکوٰۃ لی لیکن جب دولت کی فراوانی ہوئی اور انھوں نے محسوس کیا کہ اب ان اموال کی زکوٰۃ حاصل کرنے کی وجہ سے امت کو پریشانی اٹھانی پڑے گی اور اس کی تفتیش تحقیق کی وجہ سے اہل ثروت کو زحمت پیش آئے گی تو انھوں نے (باقی صفحہ ۷۶ پر)

نظام زکوٰۃ میں مسلم حکومتوں کی کوتاہی اور اس کا انجام

اسلامی خلافت (اپنے درجات کے تفاوت کے باوجود) اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ برابر تحصیل وصول کرتی رہی اور جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج، نیز حکومت کے ذرائع آمدنی اور مالیات پر جو کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے آخری دور تک یہ صورت برقرار رہی، بالآخر یہ شرعی حکم ان مسلم حکومتوں میں بالکل ختم ہو گیا جو شرعی نظام کی پوری طرح پابند نہ تھیں، اور جن کو اخلاقی ضابطوں، اجتماعی خصائص اور مالی سیاست میں خلافت نبوت کا وارث کہنا مشکل ہے، اس کے نتیجہ میں تمام اسلامی ملکوں میں سخت انتشار برپا ہوا، مسلمان شریعت اسلامی کی برکتوں سے محروم ہو گئے، اور اسی کی سزا ہے کہ آج ان کو ظالمانہ سرمایہ داری، پر فریب سوشلزم اور انتہا پسندانہ اور غیر متوازن کیمونزم کا مزہ چکھنا پڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (سورۃ الم السجدۃ ۲۱)	اور ہم انھیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں۔

زکوٰۃ ہمدردی و غمخواری کی ادنیٰ حد ہے

اسلام نے جو زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض کی ہے وہ ہمدردی و غمخواری اور حسن سلوک کی کم سے کم حد ہے، یہ ایسا

(باقی ص ۱۹۹ کا) یہ حق خود ان کے سپرد کر دیا (البدائع والصنائع ج ۲ ص ۳۵) علامہ ابن الہمام (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفہ اس پر قائم رہے، جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کا تغیر ظاہر ہونے لگا تو انھوں نے خیال کیا کہ لوگوں کے پوشیدہ مالوں کا خفیہ طریقوں سے پتہ لگانا مناسب نہیں، اس لئے انھوں نے اس مال کی ادائیگی ان کے مالکین کے سپرد کر دی اور صحابہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا، اس کی حیثیت امام کے حق وصول کو باقاعدہ ساقط کر دینے اور گذشتہ حکم کو منسوخ کر دینے کی نہیں تھی (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۳۱)

فریضہ ہے جس سے روگردانی اور فرار اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں منظور نہیں، اسلامی شریعت نے نہایت جزم اور سختی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا ہے اور اس کو اسلامی شریعت، مسلمانوں کا شعار اور دین کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ	لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور
فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۔ (سورۂ توبہ-۱۱)	زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں۔

جو اس کا منکر ہوگا یا اس کی ادائیگی سے جان بوجھ کر روگردانی کرے گا وہ اسلام کے دائرہ سے خارج اور جمہور امت سے علیحدہ سمجھا جائے گا، چنانچہ یہی وہ منکرین زکوٰۃ تھے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ترین شخص حضرت ابوبکرؓ نے کھلے طریقہ پر قتال کیا تھا، اور اس قتال میں تمام صحابہ ان کے ساتھ تھے اور اس اقدام پر ان سب کا اجماع تھا۔

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور طرز زندگی، اپنے ذوق و رجحان، اپنی ترغیب و دعوت اور اپنے مخصوص اصحاب، اہلِ تعلق، اہل ہمت و اصحاب عزیمت کے سامنے اپنے نصائح و ارشادات اور ہدایات و تعلیمات میں صرف اسی حد پر اکتفا نہیں کی اور اس کو ہمدردی و خیر خواہی اور ادائیگی حقوق کی سب سے اعلیٰ مثال یا آخری شکل قرار نہیں دیا، آپؐ نے اپنے معجزانہ نبوی اسلوب اور ایک مختصر جملہ میں جس کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور عالموں کی بلاغت و فصاحت ہیچ ہے، اس بات کو اس طرح ادا کیا کہ "ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ" (بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے) ترمذی میں فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ حضورؐ سے زکوٰۃ کے بارہ میں سوال کیا گیا یا فاطمہ بنت قیس نے خود پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ" اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	طاعت یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	پھیر لیا کرو بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى	کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	لائے اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي	داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور مانگنے والوں
الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ	پر اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور نماز کی پابندی
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ	کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اپنے وعدوں کو پورا
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ	کرنے والے جب وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور بیماری
الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ	میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے یہی لوگ ہیں
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - ۱۷۷)	جو سچے اترے اور یہی لوگ تو متقی ہیں۔

زندگی اور مال کے بارے میں نبوی نقطۂ نظر

مال کے ساتھ آپ کا رویہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ آپ کا معاملہ (خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھتے ہوئے کہ آپ اس امت پر سب سے زیادہ شفیق اور اس کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور آپ ہی نے فرمایا تھا کہ "خیرکم خیرکم لاهله وانا خيركم لاهلي"[1]) اس نبوی نقطۂ نظر کا پورا ترجمان تھا جس کی صحیح تصویر کے لئے لغت و ادب کا بڑے سے بڑا ذخیرہ ناکافی ہے، بلکہ سخن پروری اور عبارت آرائی اس کے تقدس و پاکیزگی کے لئے ایک دھبہ یا داغ ہے، وہ ایک ایسی ہستی کی بات ہے جس کے سامنے خدا کی عظمت و جلال ہر وقت عیاں تھا، اس کے اخلاق، اخلاق الٰہی کا نمونہ تھے، اور یوم آخرت پر ہر وقت اس کی نظر رہتی تھی "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ"[2]

---

[1] ترمذی اور دارمی میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابن ماجہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے [2] سورۂ شعراء ۸۸-۸۹

(جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے) جس طرح مچھلی پانی کے لئے بے قرار رہتی ہے یا دن بھر کی تھکی ماندی چڑیا اپنے آشیانے کے لئے بیتاب ہوتی ہے اس سے زیادہ بیتابی و بے قراری اور شوق و انتظار اس کو آخرت کا رہتا تھا، اور اس کی زبان یوں گویا تھی "اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ"[1] وہ اس مال کو سمندر کے جھاگ، ہاتھ کے میل، یا خزف ریزوں اور کنکریوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتا تھا، ساری مخلوق اس کی نظر میں خدا کا کنبہ تھی، اور خود وہ اپنے کو یتیموں اور غریبوں کا والی سمجھتا تھا، دوسروں کے لئے عیش و آرام کا خواہشمند اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر و فاقہ کا آرزومند، اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے "اشبع یوماً واجوع یوماً"[2] ویقول "اللھم ارزق آل محمد قوتاً"[3]

اس نے خدا کا پیغام جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھا، اپنی ازواج مطہرات کو صاف سنا دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ	اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ	زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں
وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُنَّ	کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت
تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ	کر دوں اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے
فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا	رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک
عَظِيمًا ۝ (سورۂ احزاب۔ ۲۸-۲۹)	کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

آپ کی ازواج مطہرات نے پیغام خداوندی سنتے ہی ایک لمحہ توقف کے بغیر آپ کے ساتھ زندگی گزارنا پسند کیا اور اپنے باپ بھائی کے ہاں رہنے کو گوارا نہ کیا جہاں راحت و آسانی دامن پھیلائے ہوئے ان کی منتظر تھی۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۹۴۹ [2] ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے پوچھا کہ مکہ کی وادیوں کو سونا بنا دیا جائے؟ میں نے کہا نہیں میرے رب مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کے کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوکا ہوں تو آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گڑگڑاؤں جب پیٹ بھرا ہو تو آپ کا شکر ادا کروں اور حمد کروں۔ [3] بخاری ج ۲ ص ۹۵۶

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی زندگی

وہ زندگی کیا تھی جس کو آپ کی ازواج مطہرات نے اپنے لئے پسند کیا اور قابلِ ترجیح سمجھا حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی موروثی صداقت اور وسیع تجربہ اور واقفیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں:۔

ما شبع آل محمدؐ من خبز البر، ولقد کنا نمکث الشھر والشھرین، لا یوقد فی بیتنا نار، وما کان طعامنا الا التمر والماء ولقد توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما فی بیتنا شئ یاکلہ ذو کبد الا کسرۃ خبز من شعیر علی رف لی۔[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت باجرہ کی روٹی سے کبھی سیر نہیں ہوئے ہم ایک مہینہ دو دو مہینے اس حالت میں گزارتے تھے کہ ہمارے گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا تھا اور ہماری غذا صرف کھجور اور پانی ہوتی تھی، جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اس وقت ہمارے گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو کوئی ذی حیات کھا سکتا، سوائے ایک روٹی کے ٹکڑے کے جو میرے سر دل پر رکھا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ چٹائی پر تشریف رکھتے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، گھر کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو دیوار سے لٹکا ہوا مشکیزہ، مٹھی بھر جَو اور ایک پرانی چٹائی کے سوا کچھ نظر نہ آیا، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ رو دیئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمر کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ میں کیوں نہ روؤں یہ چٹائی ہے جس کے نشانات آپ کے پہلو میں پڑ گئے ہیں، ان خزانوں میں مجھے صرف یہی نظر آ رہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، جب کہ کسریٰ وقیصر پھلوں اور نہروں میں ہیں، حالانکہ آپ اللہ کے نبی ہیں، حضور نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ابن الخطاب کیا تم شک میں مبتلا ہو،

[1] بخاری و مسلم ودیگر کتب صحاح۔ رف۔ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو دیوار میں لگادی جاتی ہے اور اس پر سامان رکھتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے عیش و آرام کی ساری چیزیں یہیں دے دی گئی ہیں۔

فاضل مال سے انقباض اور کبیدگی

اپنی ضرورت سے زائد مال کو آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی گھر میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، اسی طرح صدقات کے مال جو عام مسلمانوں کی ملکیت ہے ایک لمحہ کے لئے گھر میں رکھنے کے روادار نہ تھے اور جب تک اس کو تقسیم نہ فرما دیتے تھے، آپ کو سکون حاصل نہ ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے زمانہ میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو بانٹ دوں، حضورؐ کی تکلیف کی وجہ سے مجھے اس کا موقع نہ ملا، پھر آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان چھ سات دیناروں کے ساتھ کیا کیا، میں نے کہا میں آپ کی تکلیف کی وجہ سے ایسی مشغول ہوئی کہ خیال نہ رہا، آپ نے اس کو منگوایا اور اپنے ہاتھ میں رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہوگا اگر وہ خدا سے اس حال میں ملے کہ...... اس کے پاس یہ ہو"[1]

آپ ان اموال کو ان کی مناسب جگہوں پر پہونچانے اور تقسیم کرنے میں بالکل تاخیر نہ کرتے اور نہ اس کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرتے تھے، عقبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ "میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، آپؐ نے سلام پھیرا اور بہت پھرتی کے ساتھ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگ آپ کی عجلت کی وجہ سے بہت گھبرائے پھر وہاں سے باہر آئے اور آپؐ نے محسوس کیا کہ لوگوں کو اس سرعت کی وجہ سے بڑی حیرت ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا ہے، مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ رات اس حالت میں گزاروں کہ وہ میرے پاس رہے"[2]

---

[1] بخاری، مسند ابن حنبل، سنن ابن ماجہ سب میں یہ حدیث ... کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ [2] ... احمد۔

ضرورت سے زائد مال کو صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب

آپؐ نے اپنے اصحاب کرام اور اپنی پوری امت کی اسی اخلاق اور اسی سیرت پر تربیت فرمائی، اور مال خرچ کرنے کی ترغیب میں ایسی مؤثر نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جن کو پڑھ کر ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ فاضل مال میں شائد آدمی کا کوئی حق ہی نہیں، ان احادیث کو پڑھنے کے بعد ایک انسان جب اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اس آرام و آسائش اور کشادگی و سہولت کو دیکھتا ہے تو اس کو بڑی دشواری محسوس ہوتی ہے اس کو ہر چیز ضرورت سے زائد اور فاضل محسوس ہونے لگتی ہے اور یہ خوبصورت پوشاکیں انواع و اقسام کے کھانے آرام دہ سواریاں اور وسائل زندگی کی فراوانی اس کو غلط اور ناجائز نظر آتی ہے حالانکہ یہ صرف ترغیب کے دائرہ کی بات ہے حکم شرعی اور قانون کی نہیں، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہی تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے
لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ	یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے
اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (سورۂ احزاب۔۲۱)	اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک بھی سواری نہ ہو اس کو دے دے، جس کے پاس ایک ناشتہ زائد ہو اس کو دے دے جس کے پاس ناشتہ نہ ہو۔"[1]

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جس کے پاس دو کا کھانا ہو تو وہ تیسرے کو بھی کھانا کھلائے اور جس کے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو شریک کرے۔"[2]

آپؐ نے فرمایا "مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جو رات بھر پیٹ بھر کر سوتا رہا اور اس کا پڑوسی بھوکا رہا حالانکہ اس کو اس بات کی خبر تھی۔"[3]

---

[1] ابو داؤد بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ [2] ترمذی [3] طبرانی فی الاوسط۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ مجھے کپڑا پہنا دیجئے، آپؐ نے اس سے کہا کہ کیا تمہارا کوئی ایسا پڑوسی نہیں ہے جس کے پاس دو جوڑے زائد ہوں، اس نے عرض کیا ایک سے زیادہ ہیں، آپؐ نے فرمایا پھر اللہ تعالےٰ جنت میں اس کو اور تم کو جمع نہ کرے[1]"

اسلام کی نظر میں انسان کی قیمت اور غمخواری کی اہمیت

آپؐ نے انسان کا مرتبہ اور اس کی حاجت برآری و غمخواری کی قیمت اور اہمیت اتنی زیادہ بلند کی کہ اس سے بلند کسی اور معیار کا تصور ہی ناممکن ہے، اس میں کوتاہی کرنے والا ایسا ہے جس طرح خاص خدا کی نافرمانی اور کوتاہی کرنے والا، مشہور حدیث قدسی ہے کہ "اللہ تعالےٰ قیامت کے روز اپنے بندہ سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا کہ اے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا اے رب میں کیسے آپ کو کھانا دیتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ تجھ کو خبر نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو وہ کھانا میرے پاس پہونچتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا کہ اے رب میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا[2]"

اس کی انتہا یہ تھی، اور غمخواری و احسان، اور عدل و انصاف کی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ[3]" (تم میں سے کوئی

---

[1] طبرانی فی الاوسط۔ [2] مسلم۔ [3] بخاری۔

اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔)

صحابۂ کرام کی زندگی پر اسوۂ رسولؐ کا پرتو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے صحابہ کرام کی زندگی ان کے اذواق ورجحانات اور اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے ساتھ ان کے رویہ پر بھرپور اور گہرا اثر ڈالا اور یہ روح ان کے رگ وریشہ ان کے اخلاق اور ان کی عقلیت میں اس طرح جاری وساری ہوگئی کہ ان کی زندگی بڑی حد تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تصویر یا عکس بن گئی جو آپؐ سے زیادہ قریب تھا، وہ قدرتی طور پر آپؐ سے زیادہ مشابہ تھا تاریخ نے ان کے زہد وتورع، غمخواری وحاجت برآری، قناعت پسندی، سادگی وجفاکشی اور ایثار وقربانی کے جو واقعات اور کارنامے محفوظ کردیئے ہیں وہ اخلاق ومذاہب کی تاریخ میں سب سے اوپر اور سب سے زیادہ روشن نظر آتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوم اس کے قریب تک نہیں پہونچ سکی ہے۔

خلفاء راشدینؓ صحابہؓ اور اہل بیت رسولؐ کا طرز زندگی

تاریخ کی مشہور روایت ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ کو ایک مرتبہ حلوہ کی خواہش ہوئی انھوں نے اپنے روزینہ میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک رقم اس کے لئے جمع کرلی، جب حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے یہ چند درہم بھی بیت المال میں داخل کردیئے اور جتنی رقم وہ حلوہ کے لئے بچالیتی تھیں اس کو یہ کہہ کر روزینہ میں سے کم کردیا کہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا زہد ومجاہدہ اور سادہ زندگی تاریخ میں ضرب المثل بن چکی ہے اس سلسلہ میں جابیہؓ کی طرف ان کے ایک سفر کا ذکر کافی ہے جو انھوں نے خلیفہ اور امیر المومنین کی حیثیت سے کیا تھا مورخ کے قلم نے اس کی اس طرح تصویر کھینچی ہے وہ ایک اونٹ پر سوار تھے، ان کا سر دھوپ میں چمک رہا تھا نہ سر پر ٹوپی تھی۔

تھا، ان کے دونوں پاؤں کجاوے کے دونوں کونوں کے درمیان [illegible] ایک [illegible] ہوتا

تھا جب اونٹ سے اترتے تھے تو وہی ان کا بستر ہوتا تھا جب سوار ہوتے تھے تو اس سے کجاوہ کا کام دیتا

تھا، ایک تھیلا تھا جس میں روئی بھری ہوئی تھی سفر کرتے تو اس سے تھیلے کا کام لیتے اترتے تو تکیہ کے طور

پر استعمال کرتے ان کی قمیص گزی گاڑھے کی تھی جو پرانی بھی تھی، اور ایک طرف سے پھٹ بھی گئی تھی۔[1]

حضرت عثمانؓ جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ مالدار اور آسودہ حال تھے، ان کے متعلق شرجیل بن مسلم کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دوسروں کی ضیافت تو امیرانہ انداز میں کرتے تھے لیکن خود اپنے گھر جا کر صرف روٹی اور تیل تناول فرماتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (جن کا شمار مخصوص زہاد صحابہ میں ہے) کی زاہدانہ زندگی کی تصویر ضرار بن ضمرہ اس طرح کھینچتے ہیں:۔

"دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے متوحش و بیزار اور رات کی تاریکی سے مانوس تھے، بہت رونے والے اور بہت سوچنے والے، اپنا ہاتھ پلٹتے تھے اور اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے، لباس معمولی اور کھانا موٹا جھوٹا ہوتا تھا، خدا کی قسم وہ ہم ہی میں سے ایک معلوم ہوتے تھے، ہم کچھ پوچھتے تھے تو فوراً جواب دیتے تھے، ہم ملنے آتے تو بات کی ابتدا خود ہی کرتے، ہم بلاتے تو دعوت قبول کرتے۔"[2]

اسوۂ رسولؐ کا یہ عکس اور جمال نبوی کا یہ پرتو آپؐ کی صحبت و تربیت کے اعتبار سے تھا، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مرتبہ (جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں) زہد و ایثار اور جود و عطا میں بہت بلند ہے، مورخین بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم صدقہ کیے، حالانکہ ان کے پاس صرف ایک پھٹی پرانی پوشاک تھی، اور وہ روزہ سے تھیں، ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ اگر آپ افطار کرنے کے لئے کچھ بچا لیتیں تو اچھا تھا، جواب دیا کہ اگر اس وقت یاد دلاتیں تو میں ایسا ہی کرتی، انھوں نے بھوک کی حالت میں ایک لاکھ صدقہ کر دیئے اپنے کو بھول گئیں اور دوسروں کو یاد رکھا۔[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۵۹، ۶۰ [2] صفوۃ الصفوہ (ابن جوزی) [3] المستدرک للحاکم۔

اولین اسلامی معاشرہ میں غمخواری وایثار کی مثالیں

یہ اخلاق اور روح اولین اسلامی معاشرہ میں اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ سب صحابہ ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور قربانی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ کوئی شخص اپنے کو مسلمان بھائی سے زیادہ اپنے دینار و درہم کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔[1]

اس کے نتیجہ میں ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جنھوں نے غمخواری کی حدوں کو مساوات و برابری سے ملا دیا اور حسن جوار کو ایثار کے بلند سے بلند مقام تک پہونچا دیا، یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو ایک مرتبہ ایک بکری کی سری ہدیۃً ملی، انھوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ حاجتمند ہے، اس کو وہاں بھیج دیا، اس نے یہی بات سوچ کر اس کو تیسرے کے پاس بھیج دیا، اسی طرح یہ سری ایک سے دوسرے کے پاس جاتی رہی اور سات گھروں کا چکر کرنے کے بعد انہی صحابی کے پاس واپس پہونچ گئی۔[2]

زہد و قربانی کے سلسلہ میں یہ لطافت حس اور باریک بینی، ہمدردی و دلجوئی کا عشق اور مدد کرنے کا جذبہ اور شوق جو بعد کی نسلوں میں منتقل ہوا اس میں تابعین کا حصہ قدرتی طور پر سب سے زیادہ تھا۔

سید التابعین حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب صبح ہوتی تھی تو ایک آدمی یہ آواز لگاتا تھا "گھر والو! اپنے یتیم کی خبر لو، اپنے مسکین کی خبر لو"۔[3]

خاص طور پر بنی ہاشم اور اہل بیت کے بزرگ اس میدان میں بہت آگے تھے، اور صدق و اخلاص کے ساتھ اس راستہ پر گامزن تھے، امام حسنؓ اور عبد اللہ بن جعفرؓ کے جود و سخا اور دلداری و کرم گستری کے سلسلہ کے بکثرت واقعات مورخین نے قلمبند کئے ہیں، علی بن حسینؓ بن علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین) کو

---

[1] بخاری (الادب المفرد) [2] احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۷۴ [3] الادب المفرد للبخاری

آباء واجداد سے ان فضائل و مناقب میں مرتبۂ سبقت وفضیلت حاصل تھا، محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں بکثرت ایسے آدمی تھے، جن کو یہ نہ معلوم تھا کہ وہ کیسے زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا رزق کہاں سے آتا ہے، جب علی بن حسینؓ کی وفات ہوئی تو یہ سلسلہ بند ہوگیا، اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ وہی تھے، جو راتوں کو چھپ چھپ کر ان کے پاس سامان پہونچاتے تھے، ان کی وفات کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کی پیٹھ اور شانہ پر بیواؤں اور مسکینوں کے ہاں بورے پہونچانے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں[۱]۔

ایثار و ہمدردی کے جستہ جستہ واقعات

اسلامی نسلوں نے ذوقِ رفیع، احساس لطیف، اور نفس کے احتساب کے اس قیمتی ورثہ کی برابر حفاظت کی، راسخین فی العلم علماءِ حق اور اہلِ تربیت واصلاح ہر ملک اور ہر زمانہ میں اس طرز زندگی اور اس ذوق کی مکمل نمائندگی کرتے رہے، ان کے حیرت انگیز واقعات کارناموں اور قربانیوں کے تذکرہ سے تاریخ وتراجم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، ان مایۂ ناز مورخین کے جمع کردہ واقعات سے زیادہ محیر العقول اور عجیب واقعات وہ ہیں، جو بہت سی کتابوں میں ملتے ہیں، جو اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور جن کے متعلق یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس میں یہ چیزیں مل سکیں گی۔

ان حق پرست اور اہلِ دل علماء وشیوخ کا اصول وشعار ہمیشہ یہ رہا کہ رات تک ان کے ہاں روپیہ باقی نہ بچے، اپنی ضرورت کو ملتوی کرکے وہ دوسروں کی ضرورت پوری کریں، ان کے پاس جو تحفے اور ہدایا امراء اور اغنیاء کی طرف سے آئیں وہ شہر کے ان غرباء اور اہلِ حاجت کے لئے وقف کردیں جو اس سے محروم ہیں، اور نا قابلِ اعتناء سمجھ لئے گئے ہیں، ان کا مسلک و اصول یہ تھا "تؤخذ من اغنیائهم وترد علی فقرائهم" (ان کے امراء سے لیا جائے اور غرباء کو دیا جائے) ان کا دسترخوان آنے

---

[۱] یہ واقعات زیادہ تر ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفےٰ سباعیؒ کی کتاب اشتراکیۃ الاسلام سے ماخوذ ہیں۔

دل کی طرح امراء و اغنیاء کے دسترخوان سے زیادہ کشادہ وسیع اور عمومی تھا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے (جو اس پورے طبقہ اصفیاء کے سرگروہ و سرخیل ہیں) منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے متعلق فرمایا کہ میری ہتھیلی میں سوراخ ہے اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی اگر ایک ہزار دینار بھی میرے پاس آئیں تو رات آنے سے پہلے ختم ہو جائیں[1] ایک مرتبہ فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ پوری دنیا میرے ہاتھ میں دے دی جائے اور میں بھوکوں کو کھلاتا رہوں[2]۔

عالم اسلام کے وسیع رقبہ اور اس کے دور دراز گوشوں اور کناروں میں سے کوئی کنارہ اور گوشہ ایسا باقی نہ تھا، جہاں اس قسم کے لوگ نہ پائے جاتے ہوں، ان سب علاقوں میں سے کسی کا حصہ بھی کم نہ تھا، ان مخلص و ربانی علماء و مشائخ اور اہلِ دل کے حالاتِ زندگی، زہد و ایثار، ہمدردی و دلداری، اخوت، بذل و عطا، سخاوت و فیاضی سے عشق، اور حاجت براری کے شوق اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچانے کے ذوق کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، ہم ان نمونوں میں سے یہاں صرف دو نمونے پیش کر رہے ہیں، جو اس طبقہ کی زندگی میں اس طرح یکسانیت اور تسلسل کے ساتھ پائے جاتے ہیں جس طرح کسی درخت کے پتوں میں یکسانیت ہوتی ہے، یہ سب شجر نبوت کے برگ و بار ہیں، اور اس "اصل" سے نکلے ہیں، جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:-

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِیْ	جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں
اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ	(خوب) اونچائی میں جا رہی ہیں، وہ اپنا پھل
(سورۂ ابراہیم ۲۴۔۲۵)	ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق ان کے خادم شہادت دیتے ہیں کہ سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ

---

[1] قلائد الجواہر ص۱ [2] ایضاً

بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو خواجہ عبد الرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کرلے جاتا۔

جب وفات کا وقت قریب ہوا تو تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس سے بچالی ہے تو کل روزِ قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا، اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے، اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کو تقسیم کر دیا تھا، سید حسین کرمانی نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہونچ گئی، سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ، جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو، اور تمام غلہ بے تکلف اٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو، ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا۔[1]

اس طرز زندگی کا دوسرا نمونہ بارہویں صدی کے ایک بزرگ سید محمد سعید انبالوی[2] کی سیرت سے پیش کرتے ہیں، سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نواب روشن الدولہ ان کی زیارت کو

---

[1] سیر الاولیاء [2] معروف بہ سید میراں بھیک آپ حضرت شاہ ابو المعالی انبیٹھوی کے خلیفہ تھے (م ۱۱۳۱ھ)

سوانح کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶

حاضر ہوئے اور خانقاہ کی تعمیر کے لئے ۶۰ ہزار روپیہ (جس کی قیمت آج کل لاکھوں سے کم نہ ہوگی) ان کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے ان سے کہا کہ روپیہ کسی جگہ چھوڑ دیں اور آرام کریں، جب روشن الدولہ واپس ہوئے تو آپ نے شہر اور قریب کے گاؤں اور قصبات کے تمام فقراء اہلِ حاجت اور یتیموں و بیواؤں کو دعوت عام دے دی اور ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہ رکھا، جب روشن الدولہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے کہا کہ عمارت کی تعمیر میں وہ ثواب نہیں جو اہلِ حاجت و فقراء کی خدمت میں ہے۔

ایک مرتبہ شاہ فرخ سیر نواب روشن الدولہ اور نواب عبداللہ خاں کے خطوط اور اس کے ساتھ تین لاکھ روپیہ کی رقم پہونچی، آپ نے سب قصبات و دیہات کے شرفاء و اہلِ حاجت میں تقسیم کر دی[1]۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو اس طبقۂ زہاد کا حال ہے جو دنیا اور اسبابِ دنیا سے پہلے ہی کنارہ کش ہو چکا ہے اور اس کو مخلوق سے کوئی واسطہ اور زندگی کے دھارے سے کوئی تعلق نہیں ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ زہد و ایثار اور استغناء و بے نیازی کی یہ مثالیں امت کے دوسرے طبقوں میں بھی ملتی ہیں یا نہیں؟ تاریخ پورے اعتماد کے ساتھ اس کا جواب اثبات میں دیتی ہے، اس لئے کہ ہر اسلامی نسل، ہر اسلامی معاشرہ اور اسلامی ماحول و ہر اسلامی دور میں ایسے لوگ ہمیں ملتے ہیں، جو ان چیزوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عامل اور اپنی زندگی، اپنے مال، اہل و عیال یہاں تک کہ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ معاملہ میں اسی اخلاقِ نبوی کے حامل ہیں، تاریخ نے ان کے چیدہ چیدہ واقعات ہمارے لئے محفوظ کر دیئے ہیں، اور ان میں سلاطین و امراء، علماء و صلحاء سب شامل ہیں، ہم اس موقع پر صرف دو طبقوں کا ذکر کرتے ہیں، ایک اہل علم کا طبقہ اور دوسرا سلاطین و فاتحین کا۔

علماء اسلام کی شرف نمائندگی کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا نام سب سے زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ عام طور پر وہ لوگ جو ان سے ناواقف ہیں ان پر خشکی و بے روحی کا الزام لگاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا علم اور ان کی عقل ان کے دل اور جذبات پر حاوی ہے، ان کے معاصر حافظ ابن فضل اللہ العمری لکھتے ہیں کہ

---

[1] نظام تعلیم و تربیت ج۔۲ مناظر احسن گیلانی۔

"ان کے پاس سونے چاندی اور مال واسباب کے ڈھیر آتے اور وہ سب کو تقسیم کر دیتے اور دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے اگر کسی چیز کو رکھتے بھی تو اس نیت سے کہ کسی کو دینا ہے"۔

ان کی داد ودہش اور جود وسخا کا یہ حال تھا کہ بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کر سائل کو دیدیتے تھے، حافظ ابن فضل اللہ لکھتے ہیں" وہ بکثرت صدقہ وخیرات کرتے اور جب کوئی چیز دینے کو نہ بچتی تو بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کر اہل حاجت اور فقراء کو دے دیتے"۔

سلاطین وفاتحین کی نمائندگی کا حق سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے زیادہ اور کس کو پہونچتا ہے، وہ اپنے عہد کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے فرماں روا تھے، اور اپنے زمانہ کی سب سے بڑی فوجی طاقت کو انھوں نے شکست دی، ان کے رفیق ابن شداد شہادت دیتے ہیں کہ "سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ۴۷ درہم اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد ملکیت نہیں چھوڑی"۔

یہ عظیم فاتح اور فرماں روا جو ایشیا میں شام کے شمالی حدود سے لے کر افریقہ کے صحراء نوبہ کے جنوب تک سارے علاقہ کا حکمراں تھا، دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی جس سے اس کی تجہیز وتکفین کا سامان کیا جاسکے، ابن شداد لکھتے ہیں:۔

"ان کی تجہیز وتکفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھانس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز وحلال ذریعہ سے کیا"۔

یہ کسی ایک نسل یا فکری وروحانی مکاتب خیال میں سے کسی ایک مکتب خیال کا ذکر نہیں ہے بلکہ تمام علماء ربانیین اور شیوخ کاملین کا ہر زمانہ میں یہی حال رہا، ان کا اصول یہ تھا کہ "نیا دن، نیا رزق" وہ نہ کچھ جمع کرتے تھے، نہ خرچ ہونے اور ختم ہوجانے کے ڈر سے بخل سے کام لیتے تھے، یہ کسی عہد رفتہ کی کہانی نہیں بلکہ اس زمانہ میں بھی ایسے علماءؒ ومشائخ موجود ہیں، جو یہ پسند نہیں کرتے کہ ضرورت سے زائد کوئی چیز جس کے اللہ کے دوسرے بندے حاجتمند

ہوں ان کے پاس باقی رہے یا رات اس حال میں گزرے کہ ان کے پاس فاضل روپیہ ہو، یہ بات رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کی وجہ سے نہیں ہے، نہ اس کی پشت پر خدا کے قانون میں دخل اندازی یا خدا کی آسان کردہ چیزوں میں تشدد پسندی یا اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینے کا جذبہ ہے، نہ انھوں نے مجبوری کی وجہ سے اس طرز زندگی کو اختیار کیا ہے، بلکہ ان کے پیش نظر صرف محاسبہ کا خوف، خلق خدا پر شفقت، سنت رسول کی پیروی، جود و عطا، ایثار و قربانی اور تمام اعمال صالحہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور عملی مثالوں اور زندہ نمونوں کے ذریعہ ان کاموں کی خاموش ترغیب ہے، ان کے اس طرز عمل کا ان کے مریدین واہل تعلق پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا، اور ان میں ان کے نقش قدم پر چلنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

عہد آخر میں اسلامی معاشرہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت

اسلامی سوسائٹی اپنے نقائص اور کمزوریوں اور متعدد بیماریوں کے باوجود جس کا مقابلہ مصلحین امت برابر کرتے رہے ہیں اب بھی ہمدردی وغمخواری اور صدقہ وخیرات کے کاموں میں دوسری کسی سوسائٹی سے ممتاز اور فائق ہے، باہمی ہمدردی اور اعانت وغمخواری کا جذبہ اسلامی تعلیمات کی بدولت اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہے، وہ مادہ اور معدہ کی پرستش سے بہ نسبت دوسرے معاشروں کے سب سے زیادہ آزاد ہے، اس کے علاوہ اس میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو مادہ پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے ہیں، اور اس کو دین اسلام کی اخلاقی قدروں کے دائرۂ اثر میں لانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں تجارتی رقابت، انفرادی اور شخصی انانیت، اور دولت پرستی کا تناسب ان سوسائٹیوں کے بہ نسبت جو اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کی قائل نہیں اور عیش و آرام کے سوا اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رکھتیں اور خیالی معاشی معیاروں کے پیچھے دیوانہ وار سرپٹ دوڑ رہی ہیں، بہت کم ہے۔[1]

---

[1] مصنف سے جانتے کہ بعض معمر اور معتبر بزرگوں نے جو اشرات کے عہد کو دیکھ چکے تھے خود بیان کیا کہ مکہ کے (باقی صفحہ ۲۱۴ پر)

یہ اسلامی معاشرہ کی موجودہ خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود اس کا ایک خاص امتیاز ہے، اس کے سامنے اجتماعی انصاف اور اعلیٰ انسانی قدروں کے اختیار کے مواقع دنیا کی ہر سوسائٹی سے زیادہ ہیں، اور اس کا اصل سبب کسی نہ کسی درجہ میں اسلامی زندگی کا احترام اور اس ایمانی رشتہ کا وجود ہے، جس نے اس کے تمام اجزا کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

رضاکارانہ اور فطری جذبۂ ہمدردی یا جبری اور محدود نظریۂ مساوات؟

موجودہ زمانہ میں جو معاشی اور ترقی پسندانہ تحریکیں پیدا ہوئی ہیں ان کی قدر مشترک یہ ہے کہ وہ

(باقی ص ۱۶ کا) تاجر اس زمانہ میں اپنے ہم پیشہ تاجروں کے ساتھ بڑی خیر خواہی اور تعاون کا معاملہ کرتے تھے، انھوں نے یہ واقعہ سنایا کہ بعض تاجر ایسے تھے کہ شام کے وقت اگر کوئی خریدار ان کے پاس آتا اور وہ سمجھتے کہ جتنا حساب ایک دن کے لئے انھوں نے مقرر کیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور اتنی بکری ہو گئی ہے جو ایک دن کے لئے کافی ہو جائے گی جبکہ ان کا پڑوسی تاجر اس دن زیادہ خوش قسمت ثابت نہیں ہوا ہے تو وہ بڑی نرمی سے اس خریدار سے کہتے کہ میرے بغل میں جو دکان ہے یہ سامان آپ وہاں سے لے لیجئے کہ آج ان کے یہاں خریدار زیادہ نہیں آئے ہیں۔

محمد اسد صاحب نے ایک اور مشہور اسلامی شہر دمشق کی زندگی پر اسی سے ملتے جلتے تاثرات قلمبند کئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ یہاں پہونچ کر مجھے ان غریبوں کے اندرونی سکون و اطمینان یا قلبی طمانیت کا سراغ مل گیا، یہ دراصل اس معاشرت اور برتاؤ کا نتیجہ تھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے، اس کے بعد وہ اس معاشرت اور برتاؤ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اندرونی سکون و اطمینان اس طریقہ میں نظر آیا جس طریقہ سے دکاندار اپنے گاہکوں سے برتاؤ کرتے ہیں، یہ لوگ جن میں خوف اور حسد کا کوئی شائبہ ہی نہیں معلوم ہوتا تھا، اگر کسی دکاندار کو اپنی کسی ضرورت سے غیر حاضر رہنا پڑتا تو وہ اپنے پڑوسی یا اپنے ہم پیشہ قریبی دکاندار کی نگرانی میں بے تکلف اپنی دکان چھوڑ کر چلا جاتا، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی گاہک آتا اور دکان کو خالی پاکر سوچنے لگتا کہ آؤ دوسری جگہ سے سودا خرید لیں اس وقت وہ دکاندار اپنی دکان چھوڑ کر آجاتا اور سودا بیچتا، اپنا سودا نہیں اپنے ساتھی کی دکان کا سودا اور قیمت اس کے کاؤنٹر پر رکھ دیتا، کیا یورپ میں بھی کبھی ایسی تجارت دیکھی گئی ہے!؟" (الطریق الی مکہ ص ۱۶۷)

انسان اور انسانیت پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتیں، ان تحریکوں کے داعیوں اور حامیوں نے جبری اور محدود طرز کی مساوات کو انسان کے فطری، اندرونی اور رضاکارانہ جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی پر ترجیح دی ہے، اور اس اہم حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ صرف مال ہی انسان کی ضرورت نہیں اور تنہا مال میں شرکت یا مساوات اس کے دل اور احساسات و جذبات کے خلا کو پر نہیں کر سکتی، اور نہ اس کے ہر زخم پر مرہم رکھ سکتی ہے، زندگی میں عام جذبۂ ہمدردی کی اس کو ذرائع آمدنی اور ذرائع پیداوار میں شرکت سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، بعض اوقات ایک قطرۂ اشک جو کسی دکھے ہوئے دل کا غماز ہوتا ہے، وہ کام کر جاتا ہے جو زر و جواہر اور لعل و گہر سے بھی نہیں ہوتا، ہر انسان کو اپنے بھائی کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ بھی اس کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں دونوں ایک دوسرے کی تکلیفوں اور دکھوں میں ہاتھ بٹاتے ہیں، اس کو لطافتِ حس کی بھی ضرورت ہے اور نزاکتِ خیال کی بھی، دل کی گرمی، گرمجوشی اور خندہ پیشانی کی بھی، خوش خلقی و خوش دلی اور بشاشت و انبساط کی بھی، اس کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آئے گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم ہمدردی و غمخواری کی تمام قسموں اور اس کے باریک سے باریک اور نازک سے نازک گوشوں پر حاوی ہے، اور اس میں انسانی احساسات کی سب سے سچی اور اچھی تصویر پیش کی گئی ہے، خیر خواہی اور نیکی کے کاموں اور صدقہ کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

تعدل بين الاثنين صدقة وتعين الرجل في دابته فتحمله عليها او ترفع له عليها متاعه صدقة والكلمة الطيبة صدقة وبكل خطوة تمشيها الى الصلوة صدقة وتميط الاذى عن الطريق صدقة۔

دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرو تو یہ صدقہ ہے کسی کو سہارا دے کر سواری پر بٹھاؤ تو یہ بھی صدقہ ہے اس کا سامان اٹھا کر اوپر رکھ دو یہ بھی صدقہ ہے اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے، نماز کی طرف ایک قدم اٹھانا بھی صدقہ ہے اور راستہ سے کوئی خراب اور تکلیف دینے والی چیز (اینٹ پتھر کانٹے وغیرہ) ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

(صحیحین)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے" دریافت کیا گیا کہ اگر ایسا نہ کرسکے؟ فرمایا کہ اچھائی اور نیکی کا حکم دے، صحابہ کرام نے پوچھا کہ اگر یہ بھی نہ کرسکے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے"۔[1]

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "اگر تم کسی کام کرنے والے کی مدد کردیا کسی پھوہڑ[2] کا کام بنادو تو یہ بھی صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اتنا کمزور ہو کہ اس طرح کے بعض کام نہ کرسکے، ارشاد ہوا، اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ تو یہ تمہارے نفس پر تمہارا صدقہ ہوگا"۔[3]

ایک اور دوسری حدیث میں ہے کہ "اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا بھی صدقہ ہے، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، بھٹکے ہوئے آدمی کی رہنمائی کرنا اور راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، جسے کم نظر آتا ہو اس کو اپنی نظر سے فائدہ پہونچانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا بھی صدقہ ہے"۔[4]

انسان کی فطری ہمدردی پر جس کا سوتا دل کی گہرائیوں سے ابلتا ہے، اور زندگی کی رگوں اور معاشرہ کے تمام گوشوں میں خون کی طرح جوش مارتا ہے، برآمد کی ہوئی مساوات کو (جو طاقت کے بل پر نافذ کی جاتی ہے) ترجیح دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں میں ایسا معاشرہ پیدا ہوگیا جو انسانی ہمدردی سے ناآشنا اور جذبۂ خیرخواہی سے محروم ہے، اس کے افراد اس طرح کے تاجر بن گئے ہیں، جو باہم دست و گریباں ہیں، نہ کوئی کسی پر بھروسہ کرتا ہے، نہ دوسرے کی خاطر اپنے حق سے کبھی دست بردار ہوسکتا ہے، ہر شخص ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی میں مصروف ہے، اس کے خلاف جھوٹی خبریں اور جعلی دستاویزات تیار کرتا ہے، اس کی مصیبت و ابتلا پر خوش ہوتا اور اس کی ترقی و کامیابی پر غمگین ہوتا ہے، غرض کہ پورا ملک ایک ایسا میدان کارزار بن جاتا ہے، جہاں کسی کی جان محفوظ نہیں، یا کچہری و عدالت میں جہاں کسی کی آبرو کی ضمانت نہیں۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور اپنے فرض کے صحیح طور پر بجا آوری

---

[1] صحیحین [2] جس کو اس کام کا سلیقہ نہ ہو [3] صحیحین [4] ایضاً

کا جذبہ جس میں انسانی شرافت وعظمت کا راز پوشیدہ ہے بالکل مفقود ہو گیا ہے وہ ہر پابندی و ذمہ داری اور احساس فرض سے آزاد ہو کر بالکل چھٹے ہوئے آوارہ جانوروں کے مشابہ ہو گئے ہیں جن کو سوائے چرنے جگہ جگہ منہ مارنے اور مسلسل کھاتے رہنے کے اور کوئی کام نہیں ہر قسم کی ذمہ داری حکومتوں اور ان کی انتظامی مشنری اور ملک کے تعزیری قوانین پر ڈال دی گئی ہے معاشرہ کے ساتھ ایک ایسے نابالغ بچہ کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے جو عقل و تمیز سے بالکل محروم ہے، حکومت ہی سب کچھ لیتی دیتی ہے اور ہر شخص کی ضرورت پوری کرتی ہے اس لئے ہمدردی اور رحم دلی، سخاوت و ایثار اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون قدرتی طور پر بے معنی الفاظ بن گئے ہیں، ہر شخص کے حقوق کی ضمانت اور ضروریات زندگی کی کفالت حکومت اپنے ذمہ رکھتی ہے اور لوگ گونگے بہرے مشینی پرزوں کی طرح اس کے اشارہ پر چلتے ہیں اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس کے برخلاف قدرتی، فطری اور قلب انسانی کے اندر سے ابھرنے والی ہمدردی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سکون و اطمینان، باطنی سعادت، باہمی اعتماد اور محبت و مودت، امن و اطمینان، روح کی لذت، ضمیر کی آسودگی، انسانیت پر ناز اور زندگی کے تابناک پہلو کو دیکھنے کا ولولہ، اپنے فرض و ذمہ داری کا مکمل احساس اسلام کے اولین معاشرہ میں اپنی تمام گہرائیوں، بلندیوں اور رعنائیوں کے ساتھ موجود تھا، اور زندگی کے ہر شعبہ پر اس کی چھاپ تھی، لیکن انقلاب حال صرف اسی زمانہ تک محدود نہیں، جو انسانی معاشرہ جبری اور محدود مساوات کے مقابلہ میں اس جامع و فطری اور رضا کارانہ جذبۂ ہمدردی کو اپنا اصول اور نظام زندگی بنالے گا اس کے سب افراد باہم شیر و شکر اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں گے، سب ایک دوسرے کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے اور فراخ دلی سے اس کے حق میں شہادت دیں گے، ہر نسل اپنی گذشتہ نسل کے لئے سبقت و فضیلت کی شہادت دے گی اور اس کے لئے قبولیت و مغفرت کی طلبگار اور دعا جو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ	اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا	(اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝ (سورۂ حشر - ۱۰)

ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

یہ وہ اسلامی معاشرہ ہے جس کا ہر فرد اپنے بھائی کا آئینہ ہے جو ہر تہمت اور ہر الزام اور ہر نقص اور عیب سے اس کو بری دیکھنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے:-

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ۝ (سورۂ نور - ۱۲)

جب تم لوگوں نے یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک گمان کیا اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے۔

معاشرہ کی اس کیفیت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی بلیغ مثال سے بیان فرمایا ہے آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال اپنی مودت و ترحم اور شفقت میں ایک جسم واحد کی ہے اگر ایک عضو کو کوئی شکایت ہو جاتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔[1]

یہ ایک ایسا معاشرہ ہے، جس کا ہر رکن محافظ، دیانت دار، شریف اور امین اور قابلِ بھروسہ ہے، حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کی خیانت کرتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اس کو رسوا کرتا اور بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، مسلمان کی عزت، مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔[2]

اس کے برعکس بہت سے ملکوں میں زندگی عذاب جان اور جہنم کا نمونہ بن گئی ہے:-

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (سورۂ اعراف - ۳۸)

جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اس کی ہم رنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی۔

چنانچہ جب کوئی ڈکٹیٹر آتا ہے تو اپنے پیشرو کو لعنت کرتا اور اس پر غداری، ملک دشمنی اور خیانت کا

---

[1] صحیحین [2] ترمذی

الزام لگانا اپنا فرض سمجھتا ہے، جس کو ایک دن کے لئے بھی اقتدار مل جاتا ہے، وہ اپنے دشمنوں، رقیبوں اور مخالفوں سے سخت سے سخت انتقام لینا چاہتا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کی سفاکی ظلم و تشدد اور خوں ریزی جائز سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (سورۂ بقرہ ۔ ۲۰۵)

اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے درانحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا۔

اب اگر کسی کو یہی پرمشقت اور طویل راستہ اور تلخ و ناکام تجربہ پسند ہے تو اس کے لئے قرآن مجید کا یہ ارشاد کافی ہے:۔

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ (سورۂ بقرہ ۔ ۶۱)

تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو۔

اپیل حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ (علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان عورت مرد پر فرض ہے) اس حدیث کے پیش نظر تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بہنوں بیٹیوں اور دیگر مسلمان بچیوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ اور اس کی پوری کوشش کریں کہ کوئی مسلمان بچی اسلامی تعلیم سے محروم نہ رہ جائے، عہد نبوی میں جہاں صحابہ کرامؓ اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہوئے ہیں، صحابیات نے بھی علم دین سے اپنا حصہ حاصل کیا اور ازواج مطہراتؓ کے علاوہ حضرت فاطمہؓ، حضرت ام حرامؓ، حضرت ام ہانیؓ، حضرت سمیہؓ وغیرھا سیکڑوں صحابیات اپنے وقت میں علم دین اور اسلامی کردار کا اعلیٰ نمونہ تھیں، اسی طرح تابعین کے دور میں بہت سی عورتیں محدثہ تھیں جن سے اکابر محدثین وعلماء نے علم دین حاصل کیا، اسلام کی پوری تاریخ مسلمان عورتوں سے کبھی خالی نہیں رہی مگر افسوس ہے کہ اب جدید عصری تعلیم اور مادی فوائد کی کشش کی وجہ سے مسلمان بچیاں دینی تعلیم سے غافل ہو رہی ہیں اور ان کے والدین اور سرپرست انھیں لادینیت اور مادیت کے مرکزوں میں بڑے شوق سے بھیج رہے ہیں۔ یہ صورت حال ہر دردمند مسلمان کے لیے فکر انگیز اور افسوس ناک ہے اور اس کے تدارک کے لیے جو قدم بھی اٹھایا جائے وہ مبارک و کار ثواب ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی جائے اور ہر شہر و دیہات میں "مدرسۃ البنات" قائم کیے جائیں مجھے دلی مسرت ہے کہ محب مکرم حاجی عین الحق صاحب اور عزیزی مولوی مظفر ندوی صاحب کی مبارک کوشش سے کانپور میں ایک مدرسۃ البنات (بنام جامعۃ الزہراء) قائم ہو گیا ہے، جس کی ترقی کے لیے اطراف کے مسلمانوں کو سرگرم ہونا چاہیے کہ ایک وقت کی اہم ضرورت اور بڑے اسلامی زینہ کی تکمیل ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسۃ البنات کو قائم و دائم اور نتیجہ خیز بنائے، آمین! ——— ابوالحسن علی

اپیل مولانا سید الاعظمی الندوی مدیر البعث الاسلامی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء و
إمام المرسلین محمد وعلی الہ وأصحابہ اجمعین

میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ جامعۃ الزہراء الاسلامیہ جاجمئو کانپور کے ناظم اعلی جناب ابو مظفر الحاج عین الحق صاحب اعظمی کے بارے میں یہ تحریر کروں کہ موصوف مندرجہ بالا ادارہ کو اپنی مخلصانہ اور ذاتی کوششوں سے ایک عرصے سے چلا رہے ہیں، اور مسلمان لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے انتظام میں بڑے انہماک اور اخلاص کے ساتھ مشغول ہیں، اس ادارہ کو قائم کرنے اور اس کو ایک اچھی تربیت گاہ بنانے کے لیے دن رات انہوں نے محنت کی ہے اور اپنے ذاتی فنڈ سے ایک خطیر رقم اس پر لگا چکے ہیں، اور ہر ماہ اس کے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ایک بہت ہی مخلصانہ اور اہم دینی خدمت ہے اس لیے میں اہل خیر اور غیور مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ الحاج مولانا عین الحق صاحب اعظمی کے ساتھ تعاون فرماکر اپنی ملی غیرت وحمیت کا ثبوت دیں اور ذخیرہ آخرت بنائیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا (جو چیز اپنے لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے نزدیک پاؤ گے، وہ زیادہ بہتر اور اجر کے اعتبار سے بڑا ہوگا۔

سید الاعظمی ندوی

جامعۃ الزہراء الاسلامیۃ جاجمئو کانپور کیلیے

علماء اور رہنمایانِ ملت کی اپیل

اسلام کی بنیاد علم و معرفت ہے۔ اس کے نزدیک دینی تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی بار وحی نازل ہوئی تھی کہ: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الخ (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔)

اسی لیے آپ نے علم کی تحصیل کو ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں دینی تعلیم کی جانب سے مسلمانوں کی غفلت اور بے پرواہی بہت بڑھی ہوئی ہے اور اس سے بھی زیادہ دردناک امر یہ ہے کہ مسلمان بچیاں جدید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان اسکولوں اور کالجوں میں جاتی ہیں جن میں مخلوط تعلیم ہوتی ہیں اس کی وجہ سے جو مفاسد رونما ہو رہے ہیں ان سے مسلم معاشرہ محفوظ نہیں ہے۔

الحاج مولانا عین الحق اعظمی جو پہلے اعظم گڈھ اور پھر کانپور میں چمڑے کے نہایت کامیاب اور نیک نام تاجر رہ چکے ہیں اور نیولائٹ ٹینری جاجمئو کانپور کے وہی بانی ہیں وہ اپنی عملی زندگی کے ہر دور میں قومی و ملی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں، خصوصاً دینی تعلیم کے فروغ و اشاعت کے معاملہ میں انہیں ہمیشہ بڑی دل چسپی رہی ہے، وہ اپنے وطن موضع کاٹھ تراؤں، ضلع اعظم گڈھ، مدرسۃ الاسلام کے مدتوں ناظم رہے ہے، مدرسہ اسلامیہ محلہ باغ میر پیٹو، ضلع اعظم گڈھ کی خدمت بھی مختلف حیثیتوں سے عرصہ دراز تک انجام دیتے رہے، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و مدرسہ

مظاہر علوم سہارنپور، نور العلوم بہرائچ وغیرہم جیسے عظیم الشان مدارس کی مالی امداد بھی کرتے رہے اور ان اداروں کے علاوہ دار المصنفین اعظم گڈھ کے اکابر سے انھوں نے برابر مخلصانہ روابط رکھے جو الحمدللہ اب بھی قائم ہیں۔

مولانا معین الحق اعظمی گذشتہ ۲۲ برس سے جاجمئو کانپور میں مقیم ہیں، جاجمئو کے معمولی گھرانوں کی بچیاں بھی انہی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاتی ہیں جن میں نہ پردے کا کوئی اہتمام ہے اور نہ جن کے یہاں کوئی عفت و پاکدامنی کا کوئی تصور ہے، اور غریب مسلمان اپنی عسرت و ناداری کی وجہ سے بچیوں کو سرے سے تعلیم ہی نہیں دلاتے، یہ صورت حال دیکھ کر حاجی صاحب کے دردمند دل میں یہاں مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور الحمدللہ ۱۹۷۷ء میں ان کے مساعی جمیلہ سے جامعۃ الزہراء الاسلامیہ جاجمئو کا قیام عمل میں آیا۔ اب موصوف نے کاروباری زندگی سے دستکش ہو کر اپنی ساری سرگرمیاں اور دلچسپیاں بچیوں کی اسی تعلیم گاہ کی تعمیر و ترقی اور اس کے فروغ استحکام کے لیے مخصوص کر دی ہیں جن میں خدا کے فضل سے پردے کے مکمل اہتمام کے ساتھ اعلیٰ معلمات کے ذریعہ تقریباً ۲۰۰ بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اطفال سے مڈل تک درجات قائم ہو چکے ہیں۔ کلام پاک، ناظرہ، دینیات اور اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، حساب، جغرافیہ اور ہوم سائنس وغیرہ کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ مدرسہ کی اپنی پختہ عمارت بھی تعمیر کی جا چکی ہے جس میں بجلی، پانی، پیشاب پائخانہ اور دوسری ضروری چیزوں کا مناسب انتظام ہے۔ کمروں میں میز کرسی اور دوسرے آرائش و زیبائش کے اسباب اور ضروری تعلیمی سامان بھی مہیا کر دیے گئے ہیں۔

ابھی مدرسہ میں بہت سے تعمیری کام نامکمل بھی ہیں۔ اور وہ تیس ۳۰ ہزار روپے کا مقروض ہے، معلمات اور ملازمہ خواتین کی تنخواہوں پر دو ڈھائی ہزار روپے ماہوار کا مستقل خرچ ہے

جس کو تنہا ایک ہی شخص پورا نہیں کرسکتا، جاجمئو ایک بڑا صنعتی علاقہ اور کارخانہ داروں امراء کی بستی ہے، اگر اس کے اصحاب ثروت معمولی توجہ کریں تو جامعہ کا یہ خرچ نہایت آسانی سے پورا ہوجائے

مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے، آج کی بچیاں کل مائیں بنیں گی، انہیں کی آغوش میں قوم وملت کی نئی نسل پروان چڑھے گی اس لیے اگر ان کا دین وایمان سلامت رہا اور وہ اسلامی افکار ونظریات اور دینی عقائد وتصورات کی حامل رہیں تو قوم کے نونہال اور آئندہ نسل بھی دین وایمان پر قائم رہے گی۔ اسی لیے تمام اصحاب خیر خصوصاً جاجمئو اور کانپور کے ارباب ثروت کو جامعۃ الزہرا الاسلامیۃ کو مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم کا ایک بڑا مرکز بنانے میں مولوی عین الحق اعظمی کا مکمل تعاون کرنا چاہیے، تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

جامعۃ الزہرا الاسلامیہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ دنیائے اسلام کے مشہور عالم اور نامور خطیب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور ان کے رفقاء کار کئی بار اس میں تشریف لاکر اس کے کارکنوں نیز معلمات ومتعلمات کو اپنے نصائح اور مشوروں سے مستفید فرماچکے ہیں اور وہ اس سے پہلے بھی چند بار جامعہ کے لیے بڑی فراخدلی سے دردمندانہ اپیل بھی کرچکے ہیں، اس مدرسۃ البنات کا افتتاح بنفس نفیس خود مولانا نے مع رفقاء (مولانا معین اللہ ندوی، مولانا محمد مرتضیٰ صاحب ندوی وغیرہم کے ہمراہ تشریف لاکر فرمایا تھا۔ بلکہ اس کا قیام مولانا کی دعا پر ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کو بابرکت بنائے اور دائم وقائم رکھے، آمین

الداعیان: ● مولانا قاری صدیق احمد الجامعۃ العربیۃ ہتھورا، ضلع باندہ ● مولانا حافظ حبیب اللہ ندوی جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ ● مولانا حافظ ظفر الدین احمد جامعہ اسلامیہ کانپور ● مولانا مفتی منظور احمد مظاہری جامع العلوم کانپور ● مولانا حکیم عبدالسمیع ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ● مولانا حافظ سلامت اللہ مدرسہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ ● مولانا ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی حال مقیم ابوظبی امارات متحدہ ● مولانا ڈاکٹر لقمان اعظمی ندوی حال مقیم حائل سعودی عرب ● مولانا ضیاء الدین اصلاحی دار المصنفین اعظم گڈھ ● ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، کرامت منزل، لکھنؤ ● حاجی محمد سمیع ایشیا ٹنیری جاجمئو کانپور ● حاجی یونس علی ایڈوکیٹ کانپور ●

اپیل مخلصانہ

منجانب مولانا محمد صدیق احمد صاحب بانی مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ یوپی

و

حضرت مولانا ظفر الدین احمد صاحب بانی مدرسہ جامعہ اسلامیہ قلی بازار کانپور

جامعۃ الزہراء جاجمئو عرصہ دس سال سے قائم اور جناب الحاج عین الحق صاحب مدظلہ العالی کی مخلصانہ کوشش سے روز افزوں ترقی کر رہا ہے، اس قسم کے مدارس کی ہر جگہ ضرورت ہے جہاں مسلم بچیوں کی دینی تعلیمی اور اسلامی تہذیب کا استلام ہو، عام طور پر ایسے مدارس سے مسلمانوں کو جیسی دلچسپی ہونی چاہیے، اور جو توجہ درکار ہے، وہ ابھی تک نہیں پیدا ہو سکی۔ عام اہل خیر سے گذارش ہے کہ اس طرف توجہ فرمادیں، اور اس ادارہ کو مثالی ادارہ بنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس کا بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

احقر محمد صدیق احمد خادم جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ

و ظفر الدین احمد خادم جامعہ اسلامیہ، کانپور

بمقام کانپور۔ ۲۱ مارچ ۱۹۸۷ء

ضروری اعلان مدرسہ کے تعلیمی نصاب کی دینی ترتیب ہے کہ صرف چھ برس میں طالبہ سرکاری مڈل کا امتحان دے کر سند مڈل پاس کی جاتی ہے جبکہ سرکاری اسکولوں میں بلا دینی تعلیم اردو یا قرآن سے نابلد رہکر ۹ برس لگتے ہیں اور مذہب و دین سے بیزار دیومالائی کتابیں پڑھاکر عقیدہ و ایمان و دین سے متنفر کیا جاتا ہے۔ (عین الحق)